سلسلہ اشاعۃ العلوم نمبر (۷۲)

ان الدین عند اللہ الاسلام

از افادات سراپا برکات حقائق آگاہ معارف دستگاہ عارف باللہ
مولنا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ خاں مغفور قدس سرہ العزیز
المخاطب نواب فضیلت جنگ سابق معین المہام امور مذہبی ممالک محروسہ سرکار عالی

مقاصد الاسلام

حصہ دہم

حسب الحکم
عالیجناب فضیلت مآب مولنا مولوی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی صدر الصدور

باہتمام
مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب فاروقی مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

[illegible]

فہرست مضامین مقاصد الاسلام حصہ دہم

نمبر	مضمون	صفحہ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

اما بعد۔ اس سے سابق کے حصہ میں خلفائے راشدین سے کچھ حالات لکھے گئے تھے جن سے اون حضرات کا زہد وورع وغیرہ معلوم ہوا تھا جو مدارِ تصوف ہے اب اجمالی طور پر عموماً صحابہؓ کے حالات لکھے جاتے ہیں۔ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام مجید میں باربار ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور کلام الٰہی کو سچ جانتے ہیں اور خدائے تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں وہ جنت کے مستحق ہوں گے۔ جہاں ہر قسم کے عیش وعشرت کے سامان مہیا ہیں۔ اور جو لوگ دنیا کے عیش وعشرت میں مشغول ہو کر خدائے تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں

وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ جہاں اقسام کے عذاب ہیں۔ چونکہ صحابہ کو خدا اور رسول کے ارشاد پر کامل یقین اور عشق کامل تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ ایسے کام کریں کہ دوزخ سے محفوظ رہکر جنت کے مستحق ہو جائیں جہاں اپنے معشوق حقیقی کا دیدار اور وصال ہوگا

یوں تو ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ میں جو کام کرتا ہوں وہ اچھا ہی اور اپنے آپ کو اچھا ظاہر کرتا ہے ؎

ہر کسے خود را نماید بایزید	نیک چوں بینی بماند بایزید

مگر صحابہؓ کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور اُنکے کاموں میں کیا نسبت ہے۔ اور اون کو خدا و رسول کے ساتھ کس درجے کا عشق تھا۔ ہم چند حالات اون حضرات کے لکھے ہیں جس سے فرق مراتب معلوم ہو جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر شام کی طرف روانہ فرمایا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بیماری کی وجہ سے پہلی ہی منزل میں وہ ٹھیرے رہے۔ چنانچہ اس عرصہ میں حضرت کا انتقال ہوگیا۔ اور اون کی روانگی میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ جس کا حال ناسخ التواریخ صـ۱۰۷ جلد دوم میں لکھا ہے کہ وفات شریف کے تیسرے روز ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اوس لشکر کو

روانگی کا حکم دیا۔ صحابہؓ آپ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اس لشکر کا یہاں سے جانا ہرگز مناسب نہیں اس لئے کہ آپ جانتے ہو کہ اعراب یعنے جنگل میں رہنے والے عرب دین سے منحرف ہو گئے ہیں۔ بعضوں نے طلحہ کو پیغمبر مان لیا ہے۔ اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے پیغمبری کا دعویٰ کر کے لشکر کثیر فراہم کر لیا ہے۔ بنی فزارہ میں عُیینہ ابن حصین کی پیغمبری کا سکہ جم گیا ہے۔ بنی تمیم نے مالک ابن نویرہ کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ ایک بڑی جماعت نے سجاح بنت منذر کی پیغمبری کا اقرار کر لیا ہے۔ وہ جیسے چاہتی ہے ان کو نچاتی ہے بحرین کے لوگ حطم بن زید سے جا ملے ہیں۔ آپ مدینہ میں رہتے ہو۔ اور یہی تھوڑے مسلمان ہیں جو آپ کے پاس ہیں۔ اگر یہ بھی اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلے جائیں تو آپ تنہا ایک مختصر جماعت کے ساتھ رہ جاؤ گے پھر اگر مخالفین سے کوئی چڑھائی کرے تو آپ کیا کر سکو گے۔ آپ نے فرمایا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہرگز نکر ونگا۔ رہی میری حفاظت سو خدائے تعالیٰ میرا حافظ ہے۔ صحابہؓ نے دیکھا کہ ہماری بات پر توجہ نہیں فرماتے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور یہ سب امور بیان کر کے کہا آپ انہیں سمجھائیے ممکن ہے کہ آپ کی مان لیں۔ اور اگر نہ مانیں تو اتنا تو کریں کہ اسامہ کی جگہ مہاجرین یا انصار میں سے کسی کو

امیر مقرر کریں کیونکہ اسامہ ایک غلام زادہ شخص ہیں ہمیں انکی ماتحتی سے
عار آتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جب یہ بیان کیا
تو آپ نے کہا اے عمر تم دیوانوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ جس کو پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم نے بلند کیا۔ کیا میں اوس کو پست کرسکتا ہوں عمر رضی اللہ عنہ
نے مایوس ہوکر سب سے کہدیا کہ خلیفہ وقت کوئی بات قبول نہیں کرتے
اب بغیر روانگی کے گزیر نہیں۔ چنانچہ وہ لشکر روانہ ہوا اور چالیس روز
کے بعد مظفر و منصور واپس آگئے۔ انتہی

دیکھئے یہ وقت وہ ہے جو تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ عرب مرتد ہو گئے
تھے۔ یہود و نصاریٰ نے سرکشی شروع کر دی تھی۔ نفاق پھیل گیا تھا۔
غرضکہ اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ برپا تھا۔ جدھر دیکھئے مخالفوں کا ہجوم
باپ بیٹے سے شوہر بی بی سے ترساں کسی کو کسی پر بھروسہ نہیں۔ ایسی
حالت میں کل صحابہ ایک طرف ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک طرف۔
اور صحابہ جو رائے دیرہے ہیں کوئی عقل سلیم اوس کا انکار نہیں کرسکتی
اول تو صحابہ مدینہ منورہ میں تھے ہی کتنے۔ اگر تمام ملک عرب کی نسبت
دیکھے جائیں تو ہزاروں حصہ بھی نہیں۔ پھر مخالفین کی یہ کیفیت کہ
عمر بھر اسلام کی وجہ سے حیران و پریشان۔ اور اس تاک میں لگے ہوئے
کہ جب موقع ملے انتقام لے لیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

تائیدات غیبیہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ یہانتک تو ہوا کہ کسی
سفر میں آپ آرام فرمارہے تھے۔ کہ ایک شخص نزدیک آپہونچا اور چاہتا
تھا کہ قتل کرے کہ درخت کی ٹھنی نے اوسے قتل کرڈالا۔ اس قسم کے اکثر
واقعات پیش آتے تھے جیسا کہ خصائص کبریٰ میں مذکور ہیں۔

حضرت کے وفات کے ساتھ ہی اون تائیدات غیبیہ کا رعب
جو اُن کے دلوں پر مسلط تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اور یہ خبر تمام ملک عرب میں
چند گھنٹوں میں مشتہر ہوگئی۔

اور قاعدہ کی بات ہے کہ مخالفوں کی نظر دارالسلطنت پر لگی رہتی ہے
جب تمام مخالفوں کو معلوم ہوجائے کہ بادشاہ تن تنہا صرف سو پچاس
مصاحبین کے ساتھ دارالسلطنت میں ہے۔ اور فوج بہت دور یعنے
ملک شام کے اطراف روانہ کردیگئی تو کہئے کہ اون کے حوصلے کیسے بڑھ گئے
ہونگے۔ ہر عقلمند اس واقعہ پر غور کرنیکے بعد یہ رائے قائم کرے گا کہ ابوبکر
رضی اللہ عنہ نے جانشین ہوتے ہی پہلے وہلے میں اسلام کا خاتمہ ہی
کردیا تھا۔ مگر وہ ایک تجربہ کار بزرگ تھے۔ ابتدائے نبوت سے وفات شریف
تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ جانتے تھے کہ دین کے
کام میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔

دین کی کامیابی عقل کو تباہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیروی کرنے میں رکھی ہے۔

عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ	پیرواو باش تا یابی ہدیٰ

انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب حالت مرض میں جب اس لشکر کو روانہ فرمایا تو اسمیں کوئی مصلحت ضرور ہے۔ اور کم سے کم خلیفہ وقت کا تو امتحان ضرور مقصود ہے۔ کہ عقل کو ترجیح دیتے ہیں یا امر نبوی کو۔ اگر عقل کو ترجیح دی تو ہمیشہ کے لئے عتاب الٰہی میں آگئے اور امر نبوی کو ترجیح دی تو خدائے تعالیٰ کو راضی کرلیا۔ پھر جس سے خدا راضی ہو کون اوس کا مقابلہ کرسکے۔

لشکر فرعون و سحر سامری	روز و شب کردند با موسیٰ مری
چونکہ داد ش عجب آں حی فرد	تاکہ یک یک را شکست و غرق کرد

غرضکہ انہوں نے عزم کرلیا کہ صحابہ تو کیا اگر تمام عالم ایک طرف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے کام میں دست اندازی کرنا چاہے تو تن تنہا سب کا مقابلہ کرلوں گا اور باوجود اس تنہائی کے نصرت اپنے ہی کو ہوگی۔

نصرت حق ہمدم و آنگاہ	نصرت حق مراست پشت و پناہ

اسی وجہ سے ایک معمولی درخواست بھی اون کی جو اسامہ رضی اللہ عنہ کو بدلنے سے متعلق تھی منظور نہ کی۔ حالانکہ جانتے تھے کہ بیدل فوج امیر کی اطاعت

ہر گز نہ کرے گی۔ بلکہ بے دل آدمی دشمن سمجھا جاتا ہے۔ مگر آپ نے اوس کا بھی خیال نہ کیا۔ اور گویا اجازت دیدی کہ جس طرح تم اونکی سلسلہ ہی کے مخالف ہو اون کی مخالفت بھی کر کے دیکھ لو کہ اوسکا کیا انجام ہوتا ہے مگر سبحان اللہ اس صداقت اور دینی عقل کا یہ اثر ہوا کہ نہ کہیں ہنگامہ برپا ہوا نہ کوئی سر اوٹھا سکا۔ اور بالاتفاق چالیس روز میں ہر ایک قبیلہ پر گذرتے۔ اور اونکی سرکوبی کرتے۔ اور رعب بٹھاتے ہوئے مظفر و منصور واپس آ گئے۔ ؏

کاروانے کہ بود بدرقہ اش لطفِ خدا	بہ تجمل بنشیند بجلالت برود

اور سب جعلی نبی اور دشمنان اسلام منہ دیکھتے رہ گئے۔ ؏

کار پاکان را چنین انجام ہاست	کج نماید لیک سراپا ست راست

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ آپ نے امارت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جو کل صحابہ کی دل شکنی کی عقل کے بالکل خلاف تھا۔ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ نہ اصول عرب کے لحاظ سے آپ کو کوئی خلافت کا استحقاق حاصل ہے نہ اور کسی قسم کی حکومت ہے کہ جس کے رعب سے لوگ مجبور رہیں اور نہ ایسا مال و زر ہے کہ خوشامد سے لوگ آپ کے طرف مائل ہوں بلکہ انہی لوگوں نے اپنی خوشی سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ باوجود اس کے پہلے ہی پہل ایسے لوگوں سے بگاڑ لینا

جن کے ہاتھ حل عقد حکومت ہے خلاف عقل نہیں تو کیا ہے؟ خصوص ایسے موقع میں کہ بحسب اصول عرب علی کرم اللہ وجہہ مستحق خلافت موجود تھے اور بقول حضرات شیعہ آپ مدعی خلافت بھی تھے۔ پھر سب سے مخالفت کی بھی تو مسئلہ امارت میں کہ عزت دار لوگ ہر کس و ناکس کی امارت کو گوارا نہیں کرتے۔ دیکھئے یہی مسئلہ امارت تھا۔ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث ہوا۔ آپ نے اسکا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔ کہ علی کرم اللہ وجہہ کے ادنی اشارے پر شکستہ خاطر لوگ علیحدہ ہو جائیں گے اور اون کو یہ کہنے کا موقع مل جائیگا۔ کہ ہم نے تجربہ کار سمجھ کر اون کو خلیفہ بنایا تھا۔ اب اون کے پہلے ہی حکم سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مصالح ملکی و تدابیر ملک رانی سے ناواقف محض ہیں۔ اور انجام کار سوچنے کی صلاحیت بھی نہیں اس لئے وہ قابل عزل ہیں۔ ؎

شہے کہ مصالح ندارد خبر	مصالح بعزلش بود سر بسر

اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ کارروائی معمولی عقلوں کے بالکل خلاف تھی۔ مگر اونکی دینی عقل اور عشق نبوی نے یہی فتوی دیا کہ چاہے خلافت رہے یا جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدول حکمی نہ ہونے پائے۔ ؎

برغم مدعیانے کہ منع عشق کنند	جمال چہرۂ تو حجت موجہ ما است

آخر اس عشق اور مردانہ جرأت کی یہ برکت ہوئی کہ کسی نے دم نہ مارا۔ اور

خلافت کا استحکام روز افزوں بڑھتا گیا۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت خدمتِ امامت جو ذات مبارک سے وابستہ تھی۔ آپ کے تفویض فرمایا۔ اور اپنا خاص مصلّٰی یعنے سجادہ آپ کے حوالے کرکے صحابہؓ کے مجمع عام میں آپ کو اپنا سجادہ نشین قرار دیا۔ تو آپکو ضرور تھا کہ جو لبِّ لباب شریعت ہے اوس کے اصول اہل اسلام کے ذہن نشین کردیں۔ اس لئے عملی طور پر آپ نے مجمع عام میں وہ ارشادات کئے۔ جو حضرات صوفیہ خاص طور پر اپنے مریدین کو تخلیہ میں تلقین کرتے ہیں۔ مثلاً خلق سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا طریقہ بتلا دیا۔ کہ خدا و رسول کے مقابلہ میں خواہ دشمن ہو یا دوست کوئی قابل التفات نہیں نہ کسی سے خوف ہو نہ رجا ہو۔

تا روئے تو بودست بہ پیشِ نظرِ من	نے خوف عدو ماند نہ از دوست رجائے

استقامت کا حال معلوم کرادیا کہ کوئی کچھ بھی کہے اپنا مشرب نہ چھوڑا جائے

بسرت گر ہمہ عالم بہ سرم جمع شوند	نتواں برد ہوائے تو برون از سرِ ما

باتوں باتوں میں خلوت درانجمن کی تعلیم کردی کہ ہر کام میں خدائے تعالیٰ سے قلبی تعلق لگا رہے

درخلوت وکثرت ز تو گفتیم و شنیدیم	خالی نہ بود از تو دمے انجمنِ ما

توحید افعالی کو یوں ذہن نشین کیا کہ موافق و مخالف جو کچھ کرتے ہیں وہ خدائے تعالیٰ کے ہی کام ہیں بغیر اوسکے مشیت وارادے کے کوئی کام نہیں ہو سکتا

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست	کہ دلِ ہر دو در تصرف اوست
گرچہ تیر از کماں ہمیں گزرد	از کمانداربیند اہل خرد

نفس اور شیطان وسوسے ڈالتے ہیں کہ لوگونکی مخالفت کا برا اثر پڑتا ہے آپ نے دکھلا دیا کہ صدق ہو تو کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔

چو باشی پیشِ حق در منزل صدق	نیارد ہیچکس قصدِ گزندت
یادگیر ایں سلوک از عصا	راستی پیش می رود ہمہ جا

یہ مشاہدہ کرا دیا کہ صدق و خلوص سے جو کام کیا جائے خدائے تعالیٰ کی طرف سے اوسمیں تائید ہوتی ہے۔

گل ز کجی خار در آغوش یافت	نیشکر از راستی ایں نوش یافت

یہ امر منکشف کر دیا کہ انسان کامل سے بطور خرق عادت خدائے تعالیٰ وہ کام کراتا ہے کہ عقلیں اوسمیں متحیر ہوتی ہیں۔ اسی طرح آپ نے اور دوسرے خلفانے وقتاً فوقتاً عملی طریقہ سے ارشادات کئے۔ اسی وجہ سے ان حضرات کو خلفائے راشدین کہتے ہیں جن کا کوئی کام رشد و ارشاد سے خالی نہیں۔ اگرچہ ظاہر بینوں کی نظروں میں ان حضرات کے بعضے کام نفسانی اور بدنما معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جو لوگ بالغ النظر ہیں وہ جانتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کے اسرار اونمیں مضمر ہوتے ہیں ع

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر

تاریخ خمیس اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب عرب مرتد ہو گئے۔ اور اکثر نے کہا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہ دیں گے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اون سے جہاد کرنے کا ارادہ کر لیا تو عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہؓ نے کہا کہ یا خلیفۂ رسول اللہ اعراب وحشی جانوروں کی طرح ہیں بہتر یہ ہوگا کہ اونکی تالیف قلوب اور اون کے ساتھ نرمی کیجئے۔ فرمایا اے عمر! میں نے یہ امید کی تھی کہ تم میری مدد کرو گے۔ مگر معلوم ہوا کہ تم مدد کرنا نہیں چاہتے۔ جاہلیت میں تو تم بڑے ہی جبار تھے۔ مگر اسلام میں ڈھیلے ہو گئے اونکی تالیف قلوب کے لئے کیا میں شعر بنا کر پڑھوں۔ یا عبارتوں میں جھوٹی سحر کاریاں کروں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے ساتھ ہی وحی موقوف ہو گئی اب کوئی نیا حکم نہیں آسکتا۔ خدا کی قسم رسّی کا ایک ٹکڑا یا بکری کا ایک بچہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے اگر مجھے نہ دیں تو میں اپنی ذات سے اوس وقت تک اون سے لڑونگا کہ تلوار اپنے ہاتھ میں تھام سکوں۔ اگر کوئی میری مدد نہ کرے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ ہر چند عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اونکا قتل کس طرح جائز ہوگا مگر آپ نے نہ مانا۔ اور کہا کہ جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں بیشک اوس کو قتل کرونگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ایک قبیلہ مرتد ہوا تو

ہم اون سے جہاد کرنے کی رائے دیتے - اِس وقت تمام ملک عرب میں تہلکہ مچا ہوا ہے - بہت سے قبیلے تو مرتد ہی ہو گئے - اور بہت سے زکوٰۃ دینا نہیں چاہتے - وہ بھی مرتدوں کے ساتھ ہیں - اور بہت سے منتظر ہیں کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے - بہرحال تمام ملک عرب نے اسوقت مخالفت پر اتفاق کر لیا ہے - اگر اِس سال کا صدقہ آپ عرب کو معاف کر دیں تو کوئی نقصان کی بات نہیں)-

کل صحابہ کو بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے ساتھ اتفاق تھا - اور کہتے تھے کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں - انسے لڑنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے - صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوئی ہی رفاقت نہیں دیتا - آپ اوٹھے اور مسلح ہو کر تن تنہا اون سے جہاد کرنے کو نکلے اوسوقت طوعاً و کرہاً ایک سو صحابی مہاجرین و انصار آپکے ساتھ ہو لئے - اور مرتدوں سے مقابلہ کیا - اور اون کو ہزیمت دی - اور کئی روز مقام بقعا میں آپ رہے - اوسوقت علی کرم اللہ وجہہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کو واپس آنیکے لئے اصرار کیا - چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اون سے جہاد کرنیکے لئے روانہ کر کے آپ واپس آ گئے انتہیٰ

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دوسرا حکم تھا - جو خلاف عقل ہونے میں پہلے حکم سے کچھ کم نہیں -

ہر چند کل صحابہ کی دلیلیں نہایت زوردار اور عقل کے مطابق تھیں۔ مگر صحابہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دلیل اور دعوے الہامی ہی پر عمل کیا اور آخر یہی ثابت ہوا کہ اس باب میں اونکو شرح صدر ہوا تھا۔ اسی مقام کی بات ہے جو کسی بزرگ نے کہا ہے ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید	کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

تاریخ خمیس میں عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اہل ردت سے جہاد کرنیکے معاملہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان تمام مسلمانوں کے ایمان سے بڑھ گیا۔ انتہی۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ تمام صحابہ عقل کی بات کہہ رہے تھے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان اور یقین کامل تھا کہ دین اسلام کامل ہوگیا ہے۔ قیامت تک باقی رہے گا۔ گو ملک عرب مرتد ہوگیا ہو۔ مگر وہ عارضی طور پر ہے اون کا غلبہ مسلمانوں پر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خداے تعالی جب اس دین کا خود حافظ و حامی ہے تو عرب تو کیا کل روے زمین کے لوگ مخالف ہوجائیں تو بھی فتح ہماری ہی رہے گی۔ اسی وجہ سے آپ تن تنہا جہاد کو نکل کھڑے ہوے۔ کیونکہ جس کا حامی خدا ہو اوسکو کسی کا کیا خوف۔ جب عقلی اسباب کو چھوڑ کر خداے تعالی پر اتنا بھروسا اور توکل ہو تو اوس وقت خداے تعالی مدد فرماتا ہے۔ حق تعالی فرماتا ہے

وکان حقا علینا نصر المومنین یعنے ایمانداروں کی مدد کرنے کا ہم پر حق ہے جب ایسا کامل ایمان ہو تو ممکن نہیں کہ امداد الٰہی نہ ہو۔ اور اگر امداد نہ ہو تو سمجھنا چاہئے اوسمیں قصور ہمارا ہی ہے کہ ہمیں پورا یقین نہیں یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اعلائے کلمۃ اللہ کا ارادہ فرمایا تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اوسی سنت پر عمل کیا۔ کہ بغیر کسی کے بھروسہ کے اشاعت دین کا عزم بالجزم کرلیا۔ اور عملی طریقہ سے یہ تعلیم کردی کہ مرید صادق الاعتقاد کو چاہئے کہ اپنے مرشد کے قدم بقدم اور اس طرح پیروی کرے۔ ؎

پئے بایددریں رہ کش نباشد ہیچ سرا	دررو دسرایدش اقتدیپائے راہبر

کہ خدا کی راہ میں سب سے بے تعلق ہوجائے۔ اور خیر خواہ ہزار عقلی اور نقلی دلیلیں پیش کریں ایک نہ مانے اور جانبازی پر مستعد ہوجائے۔ ؎

جناب عشق را درگہ بسے بالاتر از عقلست	کسے ایں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد

ہر چند نفس لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اور لا رھبانیۃ فی الاسلام اور اسی قسم کے آیات اور احادیث پیش کرے مگر اپنی ہمت اور جزم میں فرق نہ آنے دے۔ ؎

وقفۂ یک گام نا جائز بود در راہ عشق	گرد و صد رو باز بازی عقل در پیش آورد

جس قسم کی اتباع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا ممکن نہیں کہ ہر شخص اپنے پیر کی

اتباع کرے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں میں چند ہی افراد ہوتے ہیں جو اس قسم کی اتباع کرکے درجۂ ولایت اور صدیقیت کو پہونچتے ہیں۔

نہ ہر قطرہ شود گوہر بدریا	نہ ہر گوہر برآید در شہوار

ناسخ التواریخ سے ظاہر ہے کہ تخمیناً دو سال ملک عرب میں یہ معرکہ کارزار گرم رہا۔ اور طرفین سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نذر قتال و جدال ہوئے پھر بمجرد اس کے کہ ملک عرب پر تسلط ہوا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اب ملک کسریٰ و قیصر پر چڑھائی کیجائے انتہی۔ حالانکہ چند اہل اسلام جن کو اہل عرب کے ساتھ عشر عشیر کی نسبت بھی نہیں کل عرب کے ساتھ مقابلہ کرکے تھکے ہوئے تھے۔ ہنوز ان کے زخم تک چنگے نہیں ہوئے تھے کہ دو بڑے بڑے خونخوار سلطنتوں کے مقابلہ کا حکم دیدیا جن کا یہ حال کہ تمام ملک عرب آبادی کے لحاظ سے انکا دسواں حصہ بھی نہیں اون کے افواج قاہرہ کے مقابلہ میں لشکر اسلام دیکھا جائے تو ہزارواں حصہ بھی نہیں یا سامان جنگ پر نظر ڈالی جائے تو دونوں میں کوئی نسبت نہیں۔ انکے تیروں کو وہاں کے لوگ تنکے کہا کرتے تھے۔ غرضکہ تھوڑی سی شکستہ فوج کو ایسی بڑی سلطنتوں کے مقابلہ میں اس غرض سے بھیجنا کہ اونکو فتح کرلیں کیا کوئی عقل کی بات تھی۔ اوس زمانہ کے عقلا اس خیال پر کس قدر ہنسی اڑاتے ہونگے۔ مگر یہاں اسکی کچھ پرواہ نہیں۔

طعن وتشنیع عوام الناس پیش عاشقاں	ایک صدائے بش ترے کو آمد و برباد رفت

بہرحال چاہے کوئی ہنسے یا روئے۔ راہ خدا میں بڑھتا قدم پیچھے ہٹ نہیں سکتا
استقلال کی یہ کیفیت کہ کتنی ہی کثیر التعداد مخالف کی فوج ہو آنکھ نہیں جھپکتی

مژگان بہم نمی زنم از شور رستخیز	غوغائے حشر خواب پریشان عاشق است

صحابہ نے جب دیکھا کہ آپ کی رائے ظاہر اگرالی اور سراپا خلاف عقل تو
ہوتی ہے۔ مگر قوت ایمان کی وجہ سے اسمیں کامیابی بھی ہو جاتی ہے۔
اس لئے بغیر چون وچرا کے اس دفعہ قبول کرلیا۔ اور کسی نے یہ بھی نہ کہا
کہ حضرت ہر قوم کے مقابلہ کے لئے اوس کے مناسب سامان کرنا شرط عقل ہے
اور حق تعالی کا جو ارشاد ہے واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن
رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم اس سے بھی اتنی قوت
بہم پہونچانے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ دشمنون کو ہیبت ہو بخلاف
اس کے ہماری حالت موجودہ کو دیکھ کر وہ ہنسیں گے۔ اور کہیں گے کہ
یہ لوگ بھیک مانگنے کو آرہے ہیں۔ اس بے سروسامانی میں ان دو سلطنتوں
کا مقابلہ کرنا اپنے ہاتھ سے اپنے کو تہلکہ میں ڈالنا ہے جس سے خدا تعالی
منع فرماتا ہے۔ قولہ تعالی ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة پھر حق تعالی
نے ہم لوگوں پر رحم فرما کر یہ آسائی کی ہے کہ دو کے مقابلہ میں ایک جاوے
چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے الئن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا

فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین آپ سو سے زائد کے مقابلہ
میں ایک کو بھیجنا چاہتے تھے۔ یہ نہ شرعاً جائز ہے نہ عقلاً۔ اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ملک کسریٰ وقیصر کے مفتوح ہونے کا وعدہ جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے
ضرور اس کا ظہور ہوگا۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ جو خلیفہ اول ہو وہی اونپر چڑھائی
کرے۔ خواہ ان کے مقابلہ کے قابل قوت ہو یا نہ ہو۔ غرضکہ صدیق اکبرؓ
کی ہی بات چل گئی۔ گو خلاف عقل اور معترضوں کے نظروں میں خلاف شرع
بھی تھی۔ آپ کے اس عملی ارشاد سے اولیاء اللہ نے یہ سبق حاصل کیا کہ جہادِ
نفس میں بھی گو بعضے امور خلاف ظواہر نصوص پیش آتے ہیں اور لا رھبانیۃ
فی الاسلام کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ نیت خاص معرفت اور
تقریب الی اللہ کی ہوتی ہے اس لئے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل
وکرم سے معاف فرمادے۔

ناسخ التواریخ میں جنگ فلسطین کے واقعہ میں لکھا ہے کہ عمرو بن العاصؓ
کے ساتھ صرف نو ہزار آدمی تھے۔ اور روبلیس جو ہرقل کی طرف سے اس
جنگ پر مامور تھا اوس کے ساتھ نوے ہزار (۹۰۰۰۰) کی جرار فوج تھی۔ سخت لڑائی کے
بعد روبلیس کی فوج کی شکست ہوئی۔ اور دس ہزار (۱۰۰۰۰) سپاہی مارے گئے۔
جب یہ خبر ہرقل کو پہونچی تو نہایت غصہ سے اپنے تمام ملک میں احکام بھیجدیے
کہ ہر صوبہ اور علاقہ کے لوگ فوجیں لیکر اجنادین میں جمع ہوں۔ اور جنگ کا

سامان اعلیٰ پیمانہ پر کریں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو سپہ سالار لشکر اسلام تھے
انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ کیفیت مفصل لکھ کر مدد طلب کی۔ آپ نے
جواب میں لکھا کہ تمھارے لشکر کا ایک ایک شخص ہزار مشرکوں کے برابر ہے
تم ہرگز خوف نہ کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس ملک کی فتح کرانیکا وعدہ کیا ہے
اوس کے بعد پانچ ہزار کا لشکر اون کے کمک کو روانہ کیا۔

عموماً ایک ایک شخص ہزار کے برابر ہونا ہرگز قرین قیاس ہو نہیں سکتا
البتہ ہزاروں میں ایک آدھ شخص ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ ہزار کا مقابلہ تنہا
کرکے کامیاب ہو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو ہر ایک کی نسبت یہ حسن ظن
کیا اوس کا منشا وہی یقین تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ وہ
ملک ضرور فتح ہو کر رہے گا۔ اس زمانہ کے لوگ خوارق عاداتِ کا انکار کرتے
ہیں ان تاریخی واقعات پر گہری نظر ڈالیں تو یہ کہنا پڑیگا ان معرکوں میں ہر
مسلمان سے روزانہ خوارق عادات ظاہر ہوتے تھے۔ بشرطیکہ عقل سلیم سے
کام لیا جائے۔ ــــ۵

نظر باز آنکہ عالم راز جائے خویش می بیند	وگرنہ چشم اعمیٰ ہم پس پردہ نظر دارد

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۱۶۶ میں لکھا ہے کہ جب ہرقل کو خبر پہنچی
کہ تبوک پر آٹھ ہزار آدمی مارے گئے۔ اور اہل اسلام عورتیں بچے لئے ہوئے
ملک میں ڈراتے چلے آرہے ہیں۔ جیسے کوئی گھر کو جاتا ہے یا اپنے گھر میں رہتا ہے

اوس نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں اون پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ وہ ان ملکوں پر ضرور قابض ہو جائیں گے۔ مگر کسی نے نہ مانا سب پر نفریں کر کے روبلیس کو بلایا جو نہایت قوی ہیکل اور جواں مرد شخص تھا۔ اوس کو لشکر کثیر دیکر اجنادین پر روانہ کیا۔ ادہر عمرو بن العاص اپنا لشکر لیکر فلسطین پر پہونچے۔ اور یہ شوری ہو رہا تھا کہ کس طریقہ سے جنگ کی جاوے۔ اتنے میں عامر بن عدی جو مسلمان تھے اور اوس سرزمین میں رہتے تھے آئے۔ اور کہا کہ لشکر روم سیلاب کی طرح چلا آرہا ہے۔ میں نے بلندی پر سے دیکھا تو میرے اندازہ میں وہ لاکھ سے کم نہیں۔ اوس وقت بعضے اہل اسلام کی رائے ہوئی کہ پیچھے ہٹ کر اون سے جنگل میں لڑنا چاہیے کیونکہ اون کو قلعوں میں لڑنے کی عادت ہے۔ عبداللہ بن عمر اور عکرمہ اور سہیل رضی اللہ عنہم نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تو یہاں سے کبھی نہ ہٹیں گے۔ ہم بارہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں کفار سے جنگ کر چکے ہیں بڑی بڑی فوجوں کے مقابلہ میں ہماری ہی فتح ہوئی۔ جس کو منظور ہو واپس چلا جاوے۔ اور جس کا جی چاہے ہماری رفاقت دے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طرف خطاب کر کے کہا "یا ابن الفاروق احسنت" یعنے آپ کی رائے نہایت مناسب ہے اور میرے دل میں بھی یہی بات تھی۔ پھر ہزار سوار اون کی ماتحتی میں دیکر طلیعہ کا کام اونسے متعلق کیا

چنانچہ وہ روانہ ہوئے ایک منزل گئے تھے کہ ایک لشکر عظیم الشان نمودار ہوا
دریافت سے معلوم ہوا کہ رومیس جو شجاعت میں مشہور بطریق ہے دس ہزار
مرد آزمودہ کار لئے ہوئے بطور طلیعہ لشکر کے آگے آرہا ہے۔ ابن عمرؓ
نے بہ آواز بلند یہ حدیث پڑھی۔ ان الجنة تحت ظلال السیوف
یعنے جنت تلواروں کے سایہ کے تلے ہے۔ پھر ایک ہزار آدمیوں نے
ہم زباں ہو کر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا۔ اور سب نے
یکبارگی حملہ کر دیا۔ ابن عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص بڑا ہی قوی ہیکل جس کی
غیر معمولی جسامت دیکھنے سے حیرت ہوتی تھی۔ فولاد میں غرق۔ ہر طرف
گھوڑا دوڑا کر حملے کر رہا ہے۔ یہ بطریق سردار لشکر تھا۔ نہایت جواں مردی
سے کسی کو جنگ میں اپنا مقابل نہیں سمجھتا تھا۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ پہلے اسی کو
لینا چاہئے۔ چنانچہ نیزہ کو جنبش دیکر اوس کا قصد کیا۔ اور وہ بھی مقابل ہو گیا
دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی بطریق نے موقع پاکر نیزہ مارا تھا۔ کہ آپ نے
جلدی سے تلوار نکال نیزہ کو دو ٹکڑے کر دیئے۔ اور ساتھ ہی تلوار کا وار کیا
اگرچہ وہ زخمی نہ ہوا۔ اس وجہ سے کہ فولاد میں غرق تھا۔ مگر تلوار اس زور
سے پڑی کہ سنبھل نہ سکا۔ اور گھوڑے سے گر پڑا۔ اوس کے ساتھ ہی آپ
بھی اپنے گھوڑے سے اترے۔ اور دوسری ضرب لگائی اور سر کاٹ لیا
رومیوں نے جب دیکھا کہ اپنا بہادر سردار مارا گیا ہراساں و پریشاں ہو گئے

اور مسلمانوں نے اون کا پیچھا کیا۔ چنانچہ بہتوں کو تہ تیغ کر کے چھ سو کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اور فتح ہو گئی انتہیٰ۔ یہ تھا مقتضائے عشق جہاں عقل کے پر جلتے ہیں

ثابت قدم براہ طلب عشق میکند		عاشق نباشد آنکہ پس و پیش بنگرد

دیکھئے عمرو بن العاص اور ابن عمرؓ وغیرہما رضی اللہ عنہم کو یقیناً معلوم تھا کہ اتنی فوج آگئی کہ اپنے لشکر سے دس حصے زیادہ ہے۔ مگر ذرا بھی خوف نہیں کیا۔ بلکہ صرف اتنی بات پر کہ پیچھے ہٹ کر میدان میں مقابلہ کیا جائے ایسے برہم ہوے کہ اس خیال کے لوگوں کا لشکر میں رہنا ناگوار ہو گیا۔ اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ کہ اگر وہ رنجیدہ ہو کر چلے جائیں تو اپنا ہی نقصان ہے کیونکہ وہ لوگ نوکر تو تھے ہی نہیں جو لڑائی پر مجبور کئے جاتے۔ صرف بات یہ تھی کہ اونکا اعتماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوس سچے وعدہ پر تھا کہ مسلمانوں کی فتح ہو گی۔ چاہے کوئی رفاقت دے یا نہ دے۔ اسی وجہ سے نہایت سختی سے کام لیا۔ ؎

بر وعدہ کریم نظر ہر کرا بود		کے چشم او بہر کس و ناکس نظر کند

ورنہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ اس موقع میں نہایت نرمی سے اونکی تفہیم کرتے تاکہ وہ لوگ بیدل نہ ہوں۔ مگر سبحان اللہ وہ حضرات بھی کامل الایمان تھے جانتے تھے کہ اس دینی خدمت سے خدا و رسول کی رضامندی حاصل کرنی ہے ورنہ علیٰحدہ ہونے کو یہ سخت کلامی اور چلے جانیکی اجازت کافی حیلہ تھا۔ شعر

تا روئے تو بود است بہ پیش نظرِ من	از دوست بری ہستم و نیز از ہمہ دشمن
دیار عشق را نازم کہ طفلانِ ہوسناکش	چو بستیاں می مکنند از ذوق زہر آلود پیکانرا

ابن عمر او ر ابن عاص وغیرہ صحابہ کے نام جب حدیث کی کتابوں میں دیکھے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنے گھروں میں یا مسجدوں میں بیٹھکر لوگوں کی تعلیم یا تلقین کیا کرتے ہونگے۔ جس سے احادیث کی حفاظت اور اشاعت ہوئی۔ مگر ان حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ملا ہی نہ تھے۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کے بہادر سپاہی بھی تھے اور جس طرح علم کی حفاظت واشاعت اون سے متعلق تھی دین کی حفاظت واشاعت بھی اونہی سے متعلق تھی۔ دینی معاملات میں اگر اسقدر تشدد اون کی طبیعتوں میں نہوتا تو دین کا ہم تک پہونچنا ہی دشوار تھا۔ اگر سچ پوچھئے تو یہی حضرات عشاق ہیں جن کی شان میں یہ صادق ہے شعر

عاشقاں را با مصالح کار نیست	قصد آنہا جز رضائے یار نیست

جس کا ثبوت ان کی سوانح عمری سے بخوبی ہوتا ہے اس صورت میں یہ شعر بھی اون کے حسب حال ہے۔ ع

درکفے جام شریعت درکفے سندانِ عشق	کارِ ہر کس نیست ای دل جام و سندان باختن

اگر ہمیں اپنے سچے دین کی قدر ہو تو ہماری انصاف پسند طبیعت ہم کو ان تمام حضرات کی شکر گزاری پر ضرور مجبور کرے گی۔ والدین ہر چند اپنے اقتضائے

طبعی کو پورا کرتے ہیں مگر اولاد پر اون کی حق شناسی اور تعظیم فرض کی گئی ہے کیونکہ وہ ہمارے وجود کے باعث ہوے۔ اسی طرح صحابہ نے گو اپنا فرض ادا کیا جسکے وہ مامور تھے۔ مگر ہم پر اونکی حق شناسی اور تعظیم لازم ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے حق میں وجودِ دین کے باعث ہوئے۔ اگر وہ جانفشانیاں نہ کرتے تو دین ہم تک نہ پہونچتا۔ اگر غور کیا جاے تو ماں باپ سے بھی زیادہ اونکا حق ہے کیونکہ ماں باپ سے ہمارا وجود ہوا۔ اگر یہ وجود بے دینی کے ساتھ فرض کیا جاے تو ابدالآباد کے لیے وہی وجود وبال جاں ہوگا۔

اب غور کیجئے کہ اون حضرات کی سعی سے ایک ایسی چیز ہمیں ملی کہ جس سے ابدالآباد کی آسایش حاصل ہوسکتی ہے تو کسقدر اونکا احسان ماننا چاہیے

مقتضاے طبع حیوان ست شکرِ محسناں		ہر کہ ایں خصلت ندارد از حیواں کمترست

ناسخ التواریخ کے صفحہ ۳۰۵ جلد دوم میں لکھا ہے کہ سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب ایران اور عراق کے شہروں کو فتح کیا تو عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس علاقہ میں اکثر عرب بیمار رہتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی بنیاد ڈالنے کا حکم دیا چنانچہ نہایت قرینہ سے شہر کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور مکانات بنانے کی عام اجازت ہوگئی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی ایک بڑا مکان اپنے لیے بنایا۔ اور محل کسریٰ جو مدائن میں تھا اوس کا دروازہ لاکر اپنے مکان میں نصب کیا۔ یہ کیفیت جب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو آپ سخت

ناخوش ہوئے اور اون کے نام خط لکھکر محمد ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔
اور فرمایا کہ جس قدر ممکن ہو جلد کوفہ پہنچیں اور پہلا کام یہ کریں کہ سعد کے گھر کو
آگ لگا دیں تاکہ جس قدر سامان اوسمیں ہو سب جل جائے۔ اور سعدؓ کو
صرف خط دیدیں اور کوئی بات نہ کریں۔ محمد بن سلمہؓ بہت جلدی سے کوفہ
پہونچے۔ اور سیدھے سعد بن وقاصؓ کے مکان پر آئے۔ ہرچند ملاقاتی
لوگ بہت تھے۔ مگر کسی سے کچھ بات نہ کی۔ سوائے اس کے کہ اون سے
لکڑیاں منگوائیں اور آگ لگا دی جس سے سارا مکان جل گیا۔ اوسکے بعد
عمر رضی اللہ عنہ کا خط سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کو دیا اوسمیں لکھا تھا
کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ آپنے ایک عالیشان مکان کسریٰ کے مکان کے جیسا
بنایا ہے جسمیں محل کسریٰ کا دروازہ بھی نصب کیا گیا ہے۔ تاکہ حاجب اور
دربان وہاں رہیں اور حاجتمند اور مظلوموں کی رسائی نہ ہو۔ افسوس ہے
کہ تم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چھوڑکر کسریٰ کا طریقہ اختیار کیا
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسریٰ کو اوس عظیم الشان مکان اور بلند دروازہ سے
نکالکر تنگ و تاریک قبر میں جگہ دی گئی۔ میں نے ایسے شخص کو بھیجا ہے
کہ جو تم سے نہ ڈرے۔ اور تمھارا گھر جلا دے۔ تم کو دو حجروں سے زیادہ کی
ضرورت نہیں۔ ایک بیت المال کے لئے اور دوسرا اپنے لئے۔ چنانچہ سعدؓ نے
ایسا ہی کیا کہ ایک چھوٹے سے گھر میں خود رہتے۔ اور ایک کو بیت المال بنایا تھی

سعد ابن ابی وقاصؓ نے کس شوق سے مکان بنایا ہو گا۔ جس کا
اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مدائن سے ایوان کسریٰ کا دروازہ لایا گیا
ایسا مکان اس بے رحمی سے جلایا گیا کہ اثاث البیت تک نکالنے کی اجازت
نہیں۔ خلیفۂ وقت کے پاس سے ایک شخص تنِ تنہا آکر بغیر اس کے کہ
جرم دریافت کریں وہیں کے لوگوں سے جلانے کا سامان مہیا کر رہے ہیں
جب اس نادر آتش زدگی کی خبر سن کر تماشائیوں کا ہجوم بڑھتا جاتا ہوگا
اور کبھی گھر کو دیکھتے ہونگے اور کبھی صاحب خانہ کو۔ تو اون کی کیا حالت
ہوگی۔ سعد بن ابی وقاصؓ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ فاتح ملک عجم آپ ہی
ہیں۔ جب تک آپ کوفہ کے حاکم رہے یزدگرد بادشاہ عجم آپکے رعب سے
دم نخود تھا۔ آپ کے معزول ہوتے ہی خیال کر لیا کہ اب میدان خالی ہے
چنانچہ فوج کشی کر کے دھوم مچا دیا۔ جس سے مسلمانوں کو مصیبتیں اٹھانی پڑیں
ایسے جلیل القدر سپہ سالار کا گھر ایک شخص جلا رہا ہے۔ اور نہ وہ خود دم مار سکتے
ہیں۔ نہ اونکی فوج۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہی؟ کہ یہ اونکی بزدلی تھی۔ ہرگز نہیں۔ وجہ
اوس کی یہی تھی کہ اون حضرات کے نفوس قدسیہ تھے۔ انہوں نے اپنی حمیت
غیرت۔ شجاعت کو اسلام کے نذر کر دیا تھا۔ شعر

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہرچہ کہ ہست

جب سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اپنے اولوالامر کی اطاعت خدا

ورسول کی اطاعت ہے تو وہ آتش زدگی اون کے آنکھوں میں آتش بازی کا نظارہ دکھانے لگی اور خود بھی تماشائیوں کے ساتھ تماشہ دیکھنے میں شریک ہوگئے۔ اور خدائے تعالی کو اپنے دل کی گرم جوشیاں دکھا کر اوس آگ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے جاتے تھے۔ کہ بضاعت مزجات یعنے ایک حقیر چیز کے معاوضہ میں رضائے الہی جو دولت ابدی ہے حاصل ہو رہی ہے اور محبت اغیار جو دل میں گھر بنا رہی تھی اوس آتشِ کثافت سوز سے فنا ہوتی جاتی ہے۔ ؎

آتشِ عشق تو تا گشت درونِ بدنم	آنچہ اندوختہ بودم ہمہ را پاک بسوخت

اور یہ مضمون نصب العین ہو رہا تھا۔ ؎

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشتِ خاکست	گو چہ حاجت کہ برافلاک کشد ایواں را
ازیں رباطِ دو در چوں ضرورت است رحیل	رواق طاقِ معیشت چہ سر بلند چہ پست

اگرچہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ صحابی جلیل القدر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ اور حضرت نے اون کو ایک بار هٰذَا خَالِی کے خطاب سے مشرف فرمایا تھا۔ اور آپ کے لئے دعا کی تھی کہ خدایا تو انکی دعائیں قبول کر۔ اس وجہ سے اونکی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ باوجود اس کے اونکا گھر جلانے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ اس وجہ سے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

؎ یہ روایات استیعاب ابن عبد البر میں مذکور ہیں ۱۲۔

کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ آپ کو اصلاح امت کی ضرورت تھی۔ دیکھا کہ بمقتضائے بشریت دنیا کی طرف کچھ توجہ ہو چلی ہے۔ فوراً عملی طریقہ سے اوسکی اصلاح کردی اور سمجھا دیا کہ۔ ؎

ازیں رباط دو در چوں ضرورت ست رحیل	رواق طاق معیشت چہ سر بلند وچہ پست
کار طفلانست کردن نقش بر دیوار و در	تا توانی زینہار از کار طفلاں زینہار
شاہباز ہمت خود بر پراں زیں خاکداں	تا کند بر شاخ سدرہ طائر قدسی شکار

اور لکھا کہ تم نے شریعت کو ترک کر دیا۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص ؏ حجرۂ مبارک کی یہ کیفیت تھی کہ جلانیکی چند لکڑیاں گاڑ دی گئیں اور اون سے کنبلوں کو باندہ دیا۔ وفات شریف تک حضرت کا یہی حجرۂ خاص تھا اور جو ازواج مطہرات کے حجرے تھے اونمیں چار حجروں کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں۔ اور سقف کھجور کی شاخوں کا جس پر کیچڑ کا گلا بہ کر دیا گیا تھا۔ اور پانچ حجروں کو تو دیواریں بھی نہ تھیں صرف کھجور کی شاخیں گاڑ کر اون پر گلاوہ کر دیا گیا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اونکی بلندی اتنی تھی کہ میرا سر اون کے چھت کو لگتا تھا۔ اور اون کے دروازوں پر تین ہاتھ طول اور ایک ہاتھ عرض کے پردے کنبل کے پڑے رہتے تھے یہ خاص حضرت کے ازواج مطہرات کے حجروں کا حال تھا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ

؏ یہ روایات خلاصۃ الوفا وغیرہ میں مذکور ہیں ۱۲

بھی عمر بھر چھپر ہی میں رہے۔

غرضکہ عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو دیکھتے کہ طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں کوئی کام کر رہا ہے تو اوس کو خلاف شریعت سمجھ کر نہایت سختی سے پیش آتے۔ اور کسی کی کچھ پرواہ نہ کرتے اس قسم کے آثار غیرت محبت سے صادر ہوتے ہیں۔

روض الریاحین میں امام یافعی رح نے لکھا ہے ذوالنون مصری رح کہتے ہیں کہ تیہ بنی اسرائیل میں ایک عجوزہ سے ملاقات ہوئی اوس نہایت ناک جنگل میں رہنے کا سبب پوچھا۔ کہا میں جس شہر میں گئی وہاں کے لوگ میرے حبیب کی نافرمانی کرتے ہیں۔ مجھ سے اوس کی برداشت نہ ہوسکی آخر آبادی کو ترک کردیا۔

ازالۃ الخفا میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک روز امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ آپ جو عاملوں سے اقرار لیتے ہیں کہ باریک کپڑے نہ پہنیں اور دروازوں پر دربان نہ رکھیں۔ کیا صرف اس سے آپ کی نجات ہوجائے گی۔ آپ کو خبر نہیں کہ ایاز بن غنم جو مصر پر آپ کی طرف سے حاکم ہیں وہ باریک کپڑے بھی پہنتے ہیں اور اونکے یہاں دربان بھی موجود ہے۔ یہ سنتے ہی آپنے محمد بن مسلمہ[1] کو بلایا۔ اور کہا کہ تم مصر جاؤ

[1] یہ صاحب حاکموں پر حکم پہنچانے کے کاموں پر مامور تھے ۱۲۔ ازالۃ الخفا

اور جس حال میں وہ ہوں اون کو لے آؤ جب وہ مصر گئے تو دیکھا کہ اونکے
دروازہ پر دربان بیٹھا ہے۔ اون کے مکان میں چلے گئے دیکھا کہ باریک
کپڑے بھی پہنے ہوئے ہیں۔ ملاقات کے ساتھ ہی کہا کہ چلئے عمر رضی اللہ عنہ
نے آپ کو بلایا ہے کہا اتنی مہلت دیجئے کہ دوسرے کپڑے پہن لوں ۔ کہا
یہ ممکن نہیں۔ اسی حال پر چلنا ہوگا۔ چنانچہ وہ اوسی وقت مصر سے روانہ ہوئے
جب عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اوس لباس میں آپنے
اونھیں دیکھا ایک کمبل کا کرتہ اور ایک لاٹھی اور بکریوں کا ریوڑ منگوایا۔
اور فرمایا کہ اپنا لباس اتار کر یہ کرتا پہنو اور یہ لاٹھی لیکر بکریاں چرایا کرو۔
انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ فرمایا تامل کیا ہے۔ تمھارے باپ بھی بکریاں
چرایا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے اونکا نام غانم تھا۔ انہوں نے کہا اس سے
تو موت بہتر ہے۔ اوس کے بعد بہت معذرت کی۔ اور قصور معاف کیا گیا۔
دیکھئے یہ تشدد اسی وجہ سے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
میں باریک لباس نہیں پہنا جاتا تھا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی
کمبل ہی کا لباس زیب تن مبارک فرمایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اپنا بھی
لباس آپ نے اسی قسم کا رکھا تھا جس کا حال اوپر معلوم ہوا کہ بارہ بارہ[12]
پیوند آپ کے کرتہ پر لگے رہتے تھے۔ ہر چند تمام صحابہ نے باصرار کہا کہ لباس
فاخرہ پہنیں۔ اگرچہ مقتضائے عقل وہی تھا۔ مگر اتباع نبوی کا یہ اثر تھا کہ دنیا

کے تعلقات سے آپ بالکل بری تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا یہی خیال تھا کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔ آپ اور آپ کے اہل بیت بھی اختیار کریں اور دنیا سے کسی قسم کا تعلق نہ رہے۔ ابتدائے اسلام سے آپکی یہی حالت رہی

من ہمانذم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں عکرمہ بن خالدؓ سے روایت ہے کہ ایک روز عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند بالوں میں کنگھی کرکے لباس فاخرہ پہن کر عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں آئے آپ نے اون کو اتنے دُرّے مارے کہ وہ رونے لگے۔ حضرت بیوی حفصہ رضی اللہ عنہا نے مارنیکا سبب پوچھا فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اوس کے نفس میں عُجب آگیا ہے اس لئے اوسکو مار کر ذلیل کر دیا تاکہ عُجب جاتا رہے۔ انتہیٰ

مقصود اس سے یہی تھا کہ یہ خیال نہ پیدا ہو کہ ہم شہزادے ہیں۔ اس لئے اون کے نفس کی اصلاح کر دی۔ اور یہ معلوم کرا دیا کہ عشاق الٰہی کی زینت ان چیزوں سے نہیں۔

زینت عاشق پلاس و موئے ژولیدہ بود	نے لباس خوب و زلف عنبرین خال و خد

کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک بار بادشاہ روم کا برید امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ کی بیوی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں تو کچھ

نہیں ملسکتا سلطنت روم سے کچھ منگوالیں۔ چنانچہ ایک دینار قرض لیکر چند شیشیاں عطر کی بادشاہ روم کی بیگم کو بطور ہدیہ روانہ کیں۔ اوس کو خوشامد کا موقع مل گیا۔ انہیں شیشیوں میں بیش بہا جواہر ڈالکر آدمی کے ساتھ بھیجا۔ جس وقت اوس آدمی نے شیشیاں محل مبارک میں روانہ کیں آپ بھی اتفاقاً وہاں پہونچ گئے۔ اور پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ بی بی صاحبہ نے سب قصہ بیان کیا۔ آپ نے وہ جواہر لے لئے۔ اور اون کو بیچکر قیمت بیت المال میں داخل کردی۔ اور ایک دینار جو عطر کی قیمت تھی بی بی صاحبہ کو دیا انتھے دیکھئے وہ جواہر عطر کی قیمت تھی۔ یا ہدیہ تھے بہرحال شرعاً اوس کے لینے میں ظاہراً کوئی حرمت کی وجہ نہیں۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے اوسکو بھی جائز نہ رکھا۔ اسی وجہ سے کہ فقر و فاقہ جو سنتِ نبوی ہے فوت نہ ہوجائے اور مال و زر سنگِ راہ مقصود نہ ہوجائیں۔

رہ روان عشق را با دولت دنیا چہ کار	پاک میدارند ایشاں راہ را از سنگ و خار

اب غور کیجئے کہ ہم لوگوں کی عقلونمیں اور اون حضرات کی عقلونمیں کسقدر تفاوت ہے۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کی عقلیں دنیاوی ہیں۔ اور دینی عقلیں انہی حضرات کی تھیں اور اِس سے ظاہر ہے کہ جس قدر دین کو دنیا پر فضیلت ہے۔ اوسی قدر دینی عقل کو دنیاوی عقل پر واقعی فضیلت ہوگی۔ جس کو دیندار لوگ جانتے ہیں۔

عقل باید کہ راہبر باشد	نہ کہ از رہ برد بسان غول

ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جب حج کو گئے تو ایک شخص نے فریاد کی کہ عمرو بن العاص جو فاتح مصر اور وہاں کے صوبہ دار ہیں۔ اون کے بیٹے محمد نے مجھ سے مسابقت میں شرط لگائی جب میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا تو اونہوں نے معتبر لوگوں کے مجمع میں غصہ سے مجھے کوڑا مارا۔ میں نے اون کے والد کے پاس فریاد کی۔ انہوں نے مجھے قید کر دیا۔ اب چار مہینے کے بعد میں چھوٹ کر آیا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص اور اون کے بیٹے کو بلوایا اور بعد ثبوت اوس فریادی سے فرمایا کہ اپنا بدلہ لے لے۔ چنانچہ اوس نے محمد بن عمرو بن العاص کو کوڑا مارا پھر عمرو بن العاص کو نزدیک بلایا۔ فریادی نے کہا اے امیر المومنین! یہ معزز شخص ہیں انکو ماریئے مت۔ فرمایا جس طرح انہوں نے تجھے قید کیا ہے میں اون کو قید کر دیتا ہوں کہا میں نے اپنا حق معاف کر دیا۔ اوسوقت آپنے اون کو اجازت دی۔ انہوں نے کہا آپ نے مجھے سخت ذلیل کیا اب میں آپ کی حکومت میں خدمت نہ کرونگا۔ آپنے فرمایا تمھیں اختیار ہے۔ جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ انتہیٰ۔ کنز العمال میں بھی یہ روایت بادنیٰ تفاوت مذکور ہے۔ غور کیجئے کہ سمت کے صوبہ دار کو ایک ادنیٰ غیر معروف آدمی کے مقابلہ میں اسقدر ذلیل اور بیدل کرنا ہرگز عقل گوارا نہیں کرتی۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ

کو عقل کی پابندی سے کیا تعلق وہ تو ہر حال میں پابند شرع شریف تھے۔
اور یہ اونہی کی خصوصیت نہیں۔ کل خلفائے راشدین کا یہی حال تھا۔ چنانچہ
کنز العمال کی کتاب القصاص من قسم الافعال میں ابن شہاب سے روایت ہے
کہ ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے اگر کسی قسم کی زیادتی کسی پر ہوجاتی تھی
تو اوس کو کہہ دیتے کہ ہم سے بدلہ لیلو۔ مگر وہ رعایت کرجاتے تھے۔ اوسی میں
یہ روایت ہے کہ طارق کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی کو ایک طپانچہ
مارا۔ اوس کے بعد اوس کو بدلہ لینے کو کہا۔ مگر اوس نے معاف کردیا۔
اور اوسی میں یہ روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو کسی اشتباہ
میں بلوایا۔ اتفاقاً وہ عورت حاملہ تھی۔ راستہ میں خوف کے مارے اوسکا
حمل ساقط ہوگیا۔ اور بچہ دو چیخیں مار کر مر گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے
فتویٰ پوچھا۔ اونہوں نے کہا کہ آپ والی ہیں۔ ادب دنیا آپ کا کام ہے
اسمیں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ
نے پوچھا۔ آپ اس باب میں کیا کہتے ہو۔ کہا۔ ان صاحبوں نے اگر اپنی رائے
سے کہا ہے تو خطا کی۔ اور اگر آپ کی خاطر سے کہا ہے تو آپ کی خیرخواہی نہیں کی
میری رائے میں آپ اسکی دیت ادا کریں۔ کیونکہ آپ کی وجہ سے اوس کا
حمل ساقط ہوگیا ہے چنانچہ آپ نے دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔ انتہیٰ۔
دیکھئے صرف اس خیال سے کہ آپ کے خوف سے حمل ساقط ہوگیا

دیت ادا کر دی۔

حالانکہ آپنے نہ اوس کو مارا۔ نہ اوس سے کوئی بات کی۔ جب اپنی ذات پر ایسے احتیاطی احکام شرعی نافذ کرتے تھے۔ تو جہاں صراحتاً ظلم و زیادتی ہو تو اوسمیں رعایت کی کیا توقع رہی مصلحت اندیشی کہ کسی جلیل القدر عہدہ دار کی دلشکنی ہو تو انتظام ملکی میں خلل واقع ہوگا سو اوس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ ؎

گر صد ہزار خاطر اغیار بشکند
بہتر از انکہ خاطر آں یار بشکند

راست نا ید مصلحت اندیشی اندر راہ عشق
عاشقاں را مصلحت غیر از رضائے دوست نیست

عاشق کہ بود مضطر در راہ طلب ہر دم
رسوائے جہاں باشد در مصلحت اندیشی

وہاں تو ہمیشہ یہی خیال تھا کہ اگر تمام عالم سے انقطاع ہو جائے تو قبول مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا سلسلہ ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

علی کرم اللہ وجہہ کی راست گوئی اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ سب صحابہؓ ایک طرف ہیں۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ پر دیت نہیں آتی۔ اور علی کرم اللہ وجہہ ایک طرف بلا رو و رعایت صاف فرماتے ہیں کہ خلیفہ وقت پر دیت کی ادائی لازم ہے۔ اب اسی پر غور کیا جائے کہ ایسے راست گو جو اظہار حق کو اپنا فرض منصبی جانتے تھے کیا اپنا حق طلب کرنے میں خاموش رہ سکتے تھے ہرگز نہیں۔ صاف فرما دیتے کہ جناب اوروں کے حقوق تو آپ بہت ادا کرتے ہیں۔ مگر ہمارا اتنا بڑا حق خلافت غصب کر بیٹھے ہو اسکو پہلے ادا کرنیکی ضرورت ہے

کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک
خوش مزاج شخص تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک
میں باتیں کر کے لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اونکی کوکھ میں اونگلی ماری۔ اونہوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپنے
مجھے دُکھ دیا۔ فرمایا تم بدلا لیلو۔ کہا آپ نے جب مجھے انگلی چبھائی میرے
جسم پر کپڑا نہیں تھا اور آپ قمیص پہنے ہوے ہیں۔ حضرت نے قمیص ہٹا دیا
انہوں نے ساتھ ہی جسم مبارک کے بوسہ لینے شروع کئے۔ اور عرض کی
میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس درخواست سے میرا مقصود یہی تھا
کہ یہ دولت حاصل کروں۔ انتہیٰ۔

اس قسم کے اور کئی واقعات کنز العمال میں مذکور ہیں جن کا ماحصل یہ ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اگر بظاہر کسی پر کچھ زیادتی ہو جاتی تو
فوراً آپ بدلہ لینے کو فرمادیتے۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ جس ملک میں
ہر ادنیٰ اپنے اعلیٰ درجہ کے شخص بلکہ خلیفہ وقت سے زیادتی کا بدلہ لیسکے تو
وہاں کس درجہ امن و آسایش ہوگی۔ عمر رضی اللہ عنہ کو منظور تھا کہ ملک میں
تمدن شرعی قایم کریں۔ جس سے ملک آسودہ حال رہے۔ اس لئے جو شخص
کسی پر کچھ زیادتی کرتا بعد دریافت فوراً انتقام لیتے۔ خصوصاً حکام سے انتقام
لینے میں تو بہت ہی اہتمام تھا۔ کیونکہ حکومت کا نشہ اکثر آدمی کو بدمست بنادیتا ہے

عاملاں در زمانِ معزولی	بشر حافی و بایزید شوند
چوں بیایند باز بر مسند	شمر ذی الجوشن و یزید شوند

کنز العمال میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں ایک شخص تھا۔ اونہوں نے اوس کو غنیمت کا حصہ تو دیا مگر کچھ کم۔ اوس نے کہا میں اپنا حصہ پورا لونگا۔ اوس پر اونہوں نے اوسے بیس کوڑے مارے اور اوس کا سر منڈوا دیا۔ اوس نے وہ بال اوٹھا لئے اور سیدھا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچا۔ اور روبرو کھڑا ہو کر آپ کے سینہ پر وہ بال پھینک مارے۔ پوچھا قصہ کیا ہے۔ اوس نے پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اوسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام خط لکھا کہ فلاں شخص نے تم پر یہ فریاد کی ہے۔ تجھیں میں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تم نے وہ کام مجمع میں کیا ہے تو مجمع میں بیٹھ کر اپنے سے قصاص لو۔ اور اگر تنہائی میں کیا ہے تو تنہائی میں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہ حکمنامہ پڑھتے ہی قصاص کے لئے بیٹھ گئے۔ جب اوس شخص نے دیکھ لیا کہ حکم کی تعمیل کو مستعد ہو گئے ہیں اوس وقت اوس نے کہا میں نے آپکا قصور معاف کر دیا۔ انتہیٰ

دیکھئے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ صوبہ بصرہ کے حاکم اور وہاں کی فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ ایک ادنیٰ سپاہی کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا اوس کا انتقام

یہ ہو رہا ہے کہ وہ سپاہی اون کو بیس کوڑے مارنے اور سر منڈھنے کے لیے کھڑا ہے۔ اور آپ مجمع عام میں اوسکے روبرو سر دیئے بیٹھے ہیں۔ اور مجال نہیں کہ چوں وچرا کر سکیں۔ آخر اوسی نے منت رکھ کر معاف کر دیا۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی۔ کہ غائبانہ صدہا کوس پر با اقتدار حکام آپکے حکم کے مقابلہ میں دم نہیں مار سکتے تھے۔ ۵

ہیبت حق است ایں از خلق نیست		ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

کیوں نہ ہو یہ آپ کے صدق اور سچی اتباع کا اثر تھا جس نے خویش و بیگانہ کو آپ کی نظر میں ایک بنا دیا تھا۔

کنز العمال صفحہ ۳۵۵ کی کتاب الفضائل میں اسلم رح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو ابن عاص رض سے سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو میں نے نہیں دیکھا جو عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوف خدا رکھتا ہو۔ اون کی یہ حالت تھی کہ حقوق کے معاملہ میں نہ بیٹے کی رعایت کرتے نہ باپ کی۔ پھر عمرو بن عاص نے خدا کی قسم کھا کر یہ واقعہ بیان کیا کہ میں جب حاکم مصر تھا ایک روز مجھے ایک شخص نے خبر دی کہ عبد اللہ اور عبد الرحمن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہاں ٹھیرے ہیں کہا فلاں مقام میں۔ جو مصر کی انتہائی آبادی میں ہے۔ چونکہ اس سے پہلے مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے

لکھ دیا تھا۔ کہ اگر وہاں میرے اہلبیت سے کوئی آئیں اور تم اون کے ساتھ کوئی خصوصیت کا برتاؤ کریں جو اوروں کے ساتھ نہیں کرتے تو یاد رکھنا کہ میں تمھیں وہ سزا دونگا جس کے تم لائق سمجھے جاؤ گے اسوجہ سے میں اون کے پاس نہ کچھ ہدیہ بھیج سکا نہ ملاقات کی۔ ایک روز میں مکان میں بیٹھا تھا کہ آدمی نے کہا کہ عبدالرحمن بن عمر اور ابوسروعہ دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ میں نے اجازت دی۔ دیکھا کہ دونوں نہایت شکستہ حال اور پریشاں بال ہیں۔ آتے ہی اون دونوں نے کہا کہ ہم پر حد شرب جاری کیجئے کیونکہ ہم نے رات میں شراب پی جس سے نشہ بھی ہوگیا تھا۔ میں نے دونوں کو جھڑک کر کہا چلو یہاں سے نکل جاؤ۔ عبدالرحمن نے کہا کہ اگر آپ حد جاری نہ کرو گے تو میں اپنے والد سے کہدونگا۔ میں نے سوچا کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوگئی تو وہ ضرور مجھے معزول کر دیں گے۔ ہم اس حیص وبیص میں تھے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آئے میں اونکی تعظیم کے لئے کھڑا ہوا صدر مجلس میں بٹھانا چاہا۔ اونہوں نے کہا کہ والد نے مجھے تقید کی ہے کہ جب تک اشد ضرورت نہو آپ کے پاس نہ جاؤں چونکہ اسوقت مجھے اشد ضرورت پیش آئی ہے۔ اس لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ میرے بھائی عبدالرحمن کو جس طرح چاہیں حد ماریں مگر لوگوں کے روبرو اونکا سر نہ منڈائیں (اوس زمانہ میں حد شرب کے بعد

سیاستۃً سر بھی منڈایا جاتا تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر کے صحن میں اون پر حد جاری کئے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک حجرہ میں لیجا کر سر مونڈا۔ بخدا میں نے اس واقعہ کا ایک حرف بھی عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں لکھا مگر اون کا فرمان پہونچا جسمیں لکھا تھا اے ابن العاص مجھے تم سے تعجب ہے جو تم نے مجھ پر جرأت کی اور خلاف عہد کیا۔ تم جانتے ہو کہ میں نے تمھارے مقابلہ میں اصحاب بدر جو تم سے بہتر ہیں اون سے مخالفت کی اور تمھیں وہاں کا حاکم بنایا۔ اس خیال سے کہ تم میرے عہد پر قائم رہوگے اور میرا حکم جاری کروگے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم بھی ملوث ہوگئے۔ اب میری رائے اسی پر قرار پائی ہے کہ تمھیں معزول کردوں۔ اسوجہ سے کہ تم نے عبدالرحمن کو اپنے گھر میں لیجا کر حد ماری۔ اور اپنے گھر میں اونکا سر منڈایا عبدالرحمن تمھارے رعایا میں سے ایک شخص تھا۔ تمھیں چاہیے تھا کہ جس طرح تمام مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کیا کرتے تھے اوس کے ساتھ بھی کرتے۔ مگر تم نے خیال کیا کہ وہ امیر المومنین کا لڑکا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ حقوق اللہ کے معاملہ میں میں کسی کی رعایت پسند نہیں کرتا۔ اب یہ خط پہونچتے ہی تم عبدالرحمن کو صرف ایک عبا دیکر اونٹ کی پیٹھ پر اس طرح کہ اوس پر کجاوہ بھی نہ ہو سوار کرکے میرے پاس روانہ کردو تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا بھگتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اونھیں اوسی طرح روانہ کردیا۔ اور عبداللہ بن عمر کو وہ خط دکھایا۔

اور جواب میں لکھا کہ حدود عام طور پر میں اپنے مکان کے صحن میں ہی مارا کرتا ہوں۔ اسمیں اونکی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو آئے اس حالت میں کہ اون پر صرف ایک عبا تھا اور سواری کی تکلیف کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اون کو مارنا شروع کیا۔ ہر چند عبدالرحمٰن بن عوف نے بہت کچھ کہا کہ امیر المومنین ایک بار حد اون پر جاری ہو چکی ہے دوبارہ یہ حد مارنا کیسا؟ مگر کچھ التفات نہ کیا اور عبدالرحمٰن چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ حضرت میں بیمار ہوں کیا آپ مجھے قتل ہی کر ڈالوگے۔ مگر آپ نے کچھ توجہ نہ کی۔ اور پوری حد مار کے قید کر دیا۔ اس کے بعد وہ بیمار ہوئے اور انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ تو صحیح ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن کو دوبارہ حد ماری اور قید کر دیا۔ مگر یہ جو لوگوں کا خیال ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دُرّوں سے وہ مرے سو وہ غلط ہے۔ کیونکہ قید سے رہائی کے بعد ایک مہینہ تندرست رہے اوس کے بعد دوسری بیماری سے اونکا انتقال ہوا۔ انتہی

بہر حال عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند پر ضرورت سے زیادہ سختی ضرور کی مگر یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا اون کو مہر پدری نتھی؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ دوبارہ حد مارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر عقل معاد سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمال مہر پدری سے یہ کام کیا گیا۔ اسواسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے

یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا یعنے اے مسلمانو اپنی ذاتوں کو اور اپنی اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ معمولی حد حرکات ناشائستہ سے روک نہیں سکتی۔ اسی وجہ سے رات کو وہ شراب پیکر صبح ہی بطوع ورغبت از خود حد جاری کرانے چلے گئے۔ جب اون کو یہ معلوم ہوجاے گا کہ اس قسم کے ناجائز حرکات صادر ہو جائیں تو ایسی سخت سزائیں بھگتنی پڑیں گی تو ممکن نہیں کہ شہوات نفسانیہ اس خوف کے مقابلہ اون پر غلبہ کریں۔ غرض کہ آپنے دیکھا کہ اپنے اہل کو دوزخ سے بچانے کا کوئی طریقہ اس سختی سے بہتر نہیں۔ اس لیے کمر سخت سزا دی۔ اب کہئے کہ یہ اونکی خیر خواہی تھی یا بد خواہی۔ اس سے یہ بات بھی بشرط تعمق نظر ثابت ہوسکتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عموماً جو سختی کا اصول اختیار فرمایا تھا۔ اوسمیں سب کی خیر خواہی ملحوظ تھی۔ چنانچہ تمام ملک میں امن وامان قائم ہوگیا۔ کہ کوئی کسی پر ظلم وتعدی نہیں کرسکتا تھا جس سے مظلوم دنیوی مصائب سے بچے اور ظالم اخروی عذابوں سے محفوظ رہے۔

بعدل ار بگیرد وداد آوری		وگر نا ید از سروران خودسری
بہ آسائش وامن خلق خدا		کند حاصل از زندگی نفعہا

صرف اس سے ظلم کا انسداد نہ ہوا۔ بلکہ ہر شخص پر آپ کی ایسی ہیبت طاری تھی جو ہر قسم کے ممنوعات مکروہات سے بچانے کا اعلی درجہ کا ذریعہ تھا چنانچہ

ناسخ التواریخ صفحہ ۲۱۸ جلد دوم میں لکھا ہے کہ عرب میں یہ ضرب المثل مشہور ہوگئی تھی درۃ عمر اهیب من سیف الحجاج یعنے عمر رضی اللہ عنہ کا درّہ حجاج کی تلوار سے بھی زیادہ ہیبت دار ہے۔

ہر چند بعضی لوگ عمر رضی اللہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ فظ غلیظ القلب تھے مگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ الزام اون پر عائد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اگر یہ انکی طبعی صفت ہوتی تو ہر موقع میں اوس کا ظہور برابر ہوتا۔ حالانکہ متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ حق بات کے مقابلہ میں وہ معترف قصور اور نادم ہوجاتے تھے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شریعت کا غلبہ آپ پر اسقدر تھا کہ نفسانیت نام کو نہ تھی اور دوست دشمن یکساں تھے۔ نہ بیٹے پر رحم تھا نہ دشمن پر غضب اگر غضب ہے تو خدا کیلئے اور رحم ہے تو خدا کیلئے۔ آپ کی یہ حالت تھی ؎

تا ز فیضش بہ رہ عشق قدم بنہادم		رفتم از خویش و ز فرزند و پدر آزادم

یہی وجہ تھی کہ علی کرم اللہ وجہہ آپ کے مداح تھے۔ چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ ۵۱۲ جلد دوم میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عامر کو جو حکومت دی ہے اوس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کے لوگوں کو حکومت دی تھی آپ نے کہا عمر رضی اللہ عنہ نے جس کو امارت دی اگر وہ خلاف عدل کوئی کام کرتا تو اوسکو ضرور سزا دیتے۔ اور عذاب و عقوبت سے ہرگز معاف نہیں

کرتے تھے اور آپ کا یہ حال ہے کہ اپنے قرابت داروں کی رعایت کرتے ہو۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی حکومت دی تھی۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا اے عثمان! میں آپ کو قسم دیکر پوچھتا ہوں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں؟ کہ معاویہ عمر رضی اللہ عنہ سے کیسا ڈرتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا غلام یرفا اون سے جتنا ڈرتا تھا اوس سے بھی زیادہ معاویہ اون سے ڈرتے تھے اور اب معاویہ کا یہ حال ہے کہ جس پر چاہتے ہیں ظلم و زیادتی کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمانؓ کے حکم سے کیا۔

ناسخ التواریخ ص ۳۴۴ جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب ملک شام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جاں بازیوں سے فتح ہوا اور لوگ اون کو مبارکباد دینے لگے۔ اور ہر طرف اونکی شجاعت کے چرچے ہونے لگے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں وہ ملک کے مالک نہ بن بیٹھیں۔ اور سابق سے بھی دلوں میں صفائی نہ تھی۔ اس لئے قابو جو تھے کہ ذرا بھی موقع مل جائے تو اون کو معزول کردیں۔ اس اثنا میں ایک شاعر نے اونکی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ اور اونہوں نے اوس کے صلہ میں دس ہزار درہم دیئے یہ کیفیت معلوم ہوتے ہی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم اونکو قنسرین سے جہاں کے وہ حاکم تھے اپنے پاس حمص میں طلب کرو۔ اور ایک عام

جلسہ کرکے اون کو کھڑے کرکے اظہار لو - کہ یہ دس ہزار درہم جو شاعر کو دیئے
گئے تم کہاں سے لائے - اگر جواب دینے میں تاخیر کریں تو اونکی ٹوپی اُتار لیجا
اور انہی کا عمامہ اون کے گلے میں ڈالکر ایک شخص اونکو پکڑا رہے - اوس وقت
تک کہ اظہار دیں - پھر اگر کہیں کہ وہ مال غنیمت کا تھا تو اون سے دس ہزار
درہم وصول کرکے بیت المال میں داخل کردو - اور اگر کہیں کہ اپنا ذاتی تھا
تو اونکا اسراف اون کے اعتراف سے ثابت ہوجائیگا - جس کی نسبت
حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ اوس وقت اونکو میرے
پاس روانہ کردو کہ انحراف کی سزا اونہیں دی جائے - یہ خط ابو عبیدہ رضی اللہ
عنہ کو پہونچتے ہی اونہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو قنسرین سے طلب کیا -
جب وہ آئے تو تمام لشکر کی صف بندی کرکے اون کو کھڑا کیا - اور پہلے
عمر رضی اللہ عنہ کا حکمنامہ سنایا - اوس کے بعد اون سے پوچھا کہ تمنے دس ہزار
درہم جو شاعر کو دیئے وہ کہاں سے لائے - خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب
میں تامل کیا - فوراً بلال رضی اللہ عنہ نے اٹھکر اون کے سر سے ٹوپی اتاری
اور اونہیں کا عمامہ اونکے گلے میں ڈالکر یہ کہتے ہوئے کھینچنے لگے کہ جبتک
تم جواب نہ دوگے تمھیں ہرگز نہ چھوڑونگا - خالد رضی اللہ عنہ اوسی حالت
میں دیر تک ساکت کھڑے رہے - ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے خالد!
کچھ تو کہو خاموشی کبتک - خالد رضی اللہ عنہ نے کہا وہ درہم میرے ذاتی تھے

اوس وقت بلال رضی اللہ عنہ نے اون کو چھوڑ کر ٹوپی دیدی۔ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اون کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ طیبہ کو روانہ کر دیا جب وہ دار الخلافت میں پہونچے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے خالد! تم نے اتنا مال کہاں سے جمع کیا۔ کہ ایک شخص کو ایک قصیدہ کے صلہ میں دس ہزار درہم دیدیے۔ کہا وہ مال حلال تھا جو اپنے قوت بازو اور زور شمشیر سے میں نے حاصل کیا تھا جس طرح دوسرے سپاہیوں نے بھی حاصل کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اونکا کل مال تولا جائے چنانچہ اسی ہزار درہم نکلے فرمایا بیس ہزار درہم بیت المال میں داخل کر لئے جائیں اور باقی مال اون کو دیدیا۔ اس پر لوگ بہت رنجیدہ ہوے۔ اور کہا کہ یہ کام حسد سے کیا گیا۔ کہ اون کے ہاتھ پر اتنے فتوحات ہوے۔ عمر رضی اللہ نے ایک روز خطبہ میں کہا۔ اے لوگو! یہ خیال مت کرو کہ میں خالد پر خفا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ جب فتوحات اون کے ہاتھ پر ہونے لگے لوگ اون پر شیفتہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ فتوحات صرف اونکی جواں مردی اور اون کی تدبیر سے ہوے اور خدا سے لوگ بالکل غافل ہو گئے۔ اس لئے میں نے خالد کو ذلیل کیا تاکہ لوگ خدائے تعالیٰ کو نہ بھولیں اور نصرت اوسی سے طلب کریں انتہیٰ

یہ واقعہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا اور علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کامل میں لکھا ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ مصنف

ناسخ التواریخ نے اپنے اجتہاد سے اوس کی وجہ قائم کی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے
حسد اور بغض سے یہ کام کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے جو وجہ بیان کی اوس کو
نظر انداز کر دیا۔ بہر حال اسمیں شک نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہراً
یہ ایسی حرکت کی کہ کوئی عاقل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خالد رضی اللہ عنہ کی
شجاعت غیرت حمیت جن کا حال سب جانتے ہیں۔ اور آئندہ اس رسالہ
میں بھی کچھ لکھا جائے گا۔ ہرگز اس کے متحمل نہیں ہو سکتی۔ کہ تمام فوج
اسلامی میں جو اون کی ماتحتی میں کام کر چکی تھی اسقدر بے عزتی کی جائے
وہ تو خالد بن ولید سیف اللہ تھے جن کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا
تھا۔ کسی ادنی آدمی کا نفس بھی اس قسم کی ذلت گوارا نہیں کر سکتا۔
عزت دار لوگ اپنی آبرو کے مقابلہ میں جان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔
اور حدیث شریف سے بھی اون کو لڑنے اور جان دینے کی اجازت تھی۔
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من قتل دون ماله وعرضه
وهو شهيد یعنے جو شخص اپنی آبرو کے لئے مارا جائے وہ شہید ہے۔
اگر وہ بے عزتی قبول نہ کرکے دست بہ شمشیر ہو جاتے تو ابو عبیدہ اور بلال
رضی اللہ عنہما کی مجال نہ تھی کہ اون کے مقابلہ میں حرکت کر سکتے۔
پھر بہ فحوائے کلام صاحب ناسخ التواریخ سب مسلمان بھی آپ ہی کے
طرفدار تھے۔ جو کہتے تھے کہ یہ کام حسد سے کیا گیا۔ پھر خود لشکر میں اون کے

قبیلہ کے لوگ اور دوست بہت سے موجود تھے۔ جو اون کے ساتھ ایک ایک شخص ہزار ہزار کے مقابلہ میں جاتا تھا۔

غرض کہ یہ کام ایسے فتنہ کا محرک تھا کہ مسلمان اوس سے تہلکہ میں پڑ جاتے مگر سبحان اللہ باوجود اتنے اسباب کے ایک ضعیف القویٰ شخص بلال رضی اللہ عنہ نے سر مجلس ہزارہا کے مجمع میں اونکی ٹوپی اوتار لی۔ اور گلے میں رسی باندھکر سخت توہین کی اور ناشائستہ الفاظ کہے مگر کسی نے دم نہ مارا۔ الفاروق میں مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ اوس وقت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مجھکو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھکو معزول کر دیا۔ اس فقرہ پر ایک سپاہی اوٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار! چپ رہو ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ کس چیز نے خالد رضی اللہ عنہ کو اس موقع میں کو وہ تمکین بنا دیا تھا کیونکہ سیف اللہ کی نسبت جُبن کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ معمولی عقلیں ہرگز اس کا واقعی سبب نہیں تبلا سکتیں۔ کیونکہ وجدانیات سے وجدان جبتک آشنا نہ ہو نہیں معلوم ہو سکتیں۔ اگر ہیز سے جماع کی لذت پوچھی جائے تو وہ ہرگز نہیں تبلا سکتا۔ بلکہ کہنے کے بعد بھی اوس کی تصدیق نہ کریگا۔

البتہ مرد بالغ اوس کی حقیقت جانتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ بالغ العقل ہیں اور عقل معاد رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ کے دل پر اوس وقت کس چیز کا اثر اور استیلا تھا جس نے شجاعت اور حمیت کو حرکت کرنے سے روکدیا۔ سب سے قوی اور بڑا سبب ایمان اور خدا و رسول کے حکم کی اطاعت تھی۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۔ یعنے خدا و رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ بزدل ہوجاؤگے اور تمھاری ہوا جاتی رہے۔ اور صبر کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ انتہیٰ۔ خالد رضی اللہ عنہ اوس وقت اس آیت شریف کے مراقبہ میں مشغول تھے۔ اور خدائے تعالیٰ سے مدد مانگ رہے تھے۔ کہ الٰہی اس موقع میں صبر عطا فرما۔ ایسا نہ ہو کہ بمقتضائے طبیعت و بشریت امیرالمومنین کے حکم کے مقابلہ میں کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہوجائے جس سے منازعت باہمی پیدا ہو۔ اور اوس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمانوں کی ہوا بگڑجائے۔ اور یہ کی کرائی محنت اکارت جائے دیر تک جو سکوت تھا وہ آیۃ موصوفہ کا مراقبہ تھا۔ مگر جو لوگ اس کوچے کے نہیں وہ کیا جانیں اونکو تو مراقبہ کے نام سے وحشت ہوگی اور فرماویں گے کہ یہ کیا لکھ دیا۔ خالد اور مراقبہ وہ تو مرد میداں تھے۔ مراقبہ خانقاہوں میں رہنے والے صوفیوں کا کام ہے

فی الحقیقت یہ لفظ صوفیہ کے بول چال میں مستعمل ہے اور انہی کی اصطلاح ہے
اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہر قوم اور ہر علم وصنعت وحرفت میں خاص خاص
اصطلاحیں ہوا کرتی ہیں۔ صوفیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے
افعال واقوال واحوال واعمال قلبیہ پر غور کرکے ہر ایک کے مقابلہ میں
ایک ایک لفظ کو جو اوس معنی پر دال تھا خاص کر دیا۔ تاکہ بول چال میں
سہولت ہو اور فہم معنی میں غور وتامل کی ضرورت نہ ہو۔ خالد رضی اللہ عنہ
تو ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ہر مسلمان جو لکھا پڑھا اور قرآن وحدیث کو
سمجھتا ہے خاص خاص موقع میں کسی نہ کسی آیت پر ضرور غور کرتا ہے اسی کا
نام مراقبہ ہے۔ غرض کہ کسی خاص مضمون پر آدمی پوری توجہ اور غور کرے تو
اوس کو اصطلاح صوفیہ میں مراقبہ کہتے ہیں۔ بشرطیکہ دین سے اوسکو لگاؤ ہو
اب کہئے اگر خالد رضی اللہ عنہ نے مراقبہ کیا تو کونسی تعجب کی بات ہوئی
اس قسم کے مراقبے تمام صحابہ کیا کرتے تھے۔ جس کا حال ہم نے مقاصد الاسلام
کے حصہ دوم میں لکھا ہے۔ اگر تھوڑی تکلیف گوارا کرکے اوس کو مطالعہ
فرمالیں تو یہاں کا مضمون آسانی سے سمجھ میں آجائیگا۔ ماحصل اوس کا یہ ہے
کہ یہ حضرات ہمیشہ کسی نہ کسی مراقبہ میں رہا کرتے تھے ؎

در خلوت وجلوت ز تو گفتیم وشنیدیم	خالی نبود از تو دمے انجمن ما

دوسرا سبب یہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر انہوں نے روحانی بیعت

کرلی تھی کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے خالد رضی اللہ عنہ
دار الخلافت میں نہ تھے اس لئے انہیں مشافہتہً بیعت کرنیکا موقع نہیں
ملا تھا اور جب خلیفۂ وقت کی خلافت تسلیم کرلیگئی تو وہی حکماً بیعت ہوگئی
بہرحال معنوی اور روحانی بیعت ہوچکی تھی اور بیعت سے پھرجانا نہایت
مذموم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون
اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن
اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما یعنے جو لوگ تم سے بیعت
کرتے ہیں۔ وہ تمھارے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے۔ بلکہ اللہ سے بیعت کرتے
ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اون کے ہاتھ پر ہے۔ پھر جو کوئی بیعت توڑدے اوس نے
اپنا ہی نقصان کیا۔ اور جس نے وہ معاہدہ پورا کیا جو خدا کے ساتھ کیا تھا
تو ہم اوس کو بڑا ہی اجر عنایت کرینگے۔ انتہیٰ

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو کسی کے ہاتھ بیچتا ہے
تو پہلے اوس چیز کی قیمت مقرر کی جاتی۔ اوس کے بعد بیچنے والا کہتا ہے کہ
میں نے اس قیمت پر اس چیز کو بیچا اور خرید کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے
اوسے خرید لیا۔ اوس کے بعد ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے۔
یہ علامت اس بات کی تھی کہ طرفین سے معاہدہ ہوا۔ اور یہ معاہدہ اور وعدہ
مکمل ہوگیا۔ اور طرفین سے کوئی وعدہ خلافی نہ کریگا۔ نہ بائع چیز دینے سے

انکار کرے گا۔ نہ مشتری قیمت ادا کرنے سے۔ یہ عام دستور تھا کہ جس وعدہ کو مستحکم کرنا منظور ہوتا تو ہاتھ میں ہاتھ ملا کر وہ وعدہ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے۔ عدۃ المومن کاخذ الکف یعنے مسلمان کا وعدہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے سے کم نہیں۔ اس لئے بیع میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ کہ طرفین سے جو وعدہ خرید و فروخت ہوا ہے وہ ضرور پورا کیا جائیگا اسی ہاتھ میں ہاتھ ملانے کا نام بیعت ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے البیعۃ الصفقۃ علی ایجاب البیع اور صفقہ کے معنی منتہی الارب میں لکھا ہے یک بار دست زدن در بیع۔ غرضکہ لفظ بیعت عرب میں بیع وشری کے موقع میں مستعمل تھا۔ اوسی بنا پر حق تعالیٰ بیعت اسلامی میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔ اس آیۃ شریف سے صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ مسلمان بیعت کیا کرتے تھے۔ یعنے کسی چیز کو بیچتے۔ اور ہاتھ میں ہاتھ ملا کر اوس کو موکد کرتے تھے مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ بائع کون ہے۔ اور مشتری کون اور کس چیز کو بیچتے تھے سو اوس کا ذکر دوسری آیۃ شریف میں ہے۔ جو ارشاد ہے۔ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ یعنے خدا نے مسلمانوں کی جان ومال کو جنت کے بدلے خرید لیا۔ انتہیٰ

اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان بائع ہیں اور خدائے تعالیٰ مشتری اور اونکی جان ومال مبیع اور جنت قیمت ہے اس کی تفصیل یہ ہی کہ جب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام الٰہی مسلمانوں کو پہونچا دیئے۔ اور یہ بھی معلوم کرا دیا کہ اگر تم یہ سب کام کروگے تو خدائے تعالیٰ تمھیں جنت دیگا تو مسلمانوں نے بصدق دل اوس کو قبول کرلیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری ذاتوں میں اور مالوں میں جو تصرف خدائے تعالیٰ نے کیا ہے۔ کہ فلاں کام اپنے اعضا سے کرو۔ اور فلاں مت کرو۔ اور مال فلاں امور میں خرچو اور فلاں میں مت خرچو سب ہمیں قبول ہے۔ ہم یہ نہ کہیں گے کہ ہمارے مال میں یہ تصرف کیوں کیا جاتا ہے کہ اوسمیں سے ایک حصہ خدا کی راہ میں دیں۔ یا اسراف نہ کریں۔ اور ہمارے نفوس میں یہ تصرف کیوں کیا جاتا ہے کہ اپنی خواہشوں کو روکیں اور مثلاً حسد و بغض وغیرہ سے احتراز کریں۔ غرضکہ حق تعالیٰ نے جتنے خواہشات و صفات آدمی میں پیدا کئے سب میں اپنا تصرف جاری فرمایا۔ مثلاً فلاں قسم کی بات کرو فلاں قسم کی بات نہ کرو۔ اسی طرح دیکھنے سننے کھانے پینے وغیرہ امور طبعیہ میں ایک ایک حد مقرر کردی۔ اور حکم دیا کہ انہیں امور میں اون کو استعمال کریں۔ جن کی اجازت ہے۔ اسی طرح کل خواہشوں سے متعلق احکام شرعیہ مقرر کئے اور نیز جتنے صفات پیدا کئے مثلاً سخاوت۔ شجاعت۔ دوستی۔ دشمنی وغیرہ سب میں ایک ایک حد مقرر کردی۔ مثلاً دوستی رکھو تو خدا کے واسطے۔ اور دشمنی رکھو تو خدا کے واسطے۔ علیٰ ہذا القیاس کل امور طبعیہ کا حال یہی ہے

کہ مطلق العنانی کے ساتھ مسلمان کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ہر کام میں جو طریقہ بتایا گیا اوسی طریقہ پر وہ کام کرنا چاہئے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب نہ اونکے نفوس اون کے ہیں نہ اون کے اموال۔ بلکہ وہ سب اون کے پاس امانت ہیں جس طرح امانتی چیزوں کو آدمی خود مختاری سے اپنے خواہشوں میں استعمال نہیں کر سکتا بلکہ انہی کاموں میں استعمال کر سکتا ہے جنکی اجازت مالک نے دی ہو اسی طرح مسلمان ہاتھوں سے مثلاً کام لیں تو وہی جنکی اجازت ہو۔ پاوں سے کام لیکر کہیں جائیں تو وہیں جہاں جانیکی اجازت ہے۔ آنکھوں سے کام لینا چاہیں تو وہی چیزیں دیکھیں جن کے دیکھنے کی اجازت ہے۔ کانوں سے سننا چاہیں تو وہی باتیں سنیں جن کے سننے کی اجازت ہے۔ خیال سے کام لینا چاہیں تو وہی خیال کریں جو منع نہیں۔ جان دینا چاہیں تو اوسی موقع میں جہاں جان دینے کی اجازت ہے۔

الحاصل ان احکامات کے مقرر کرنے سے ثابت ہو گیا کہ جان و مال سب خدا کی ملک ہیں ہمارے اختیار میں صرف بطور امانت دیئے گئے ہیں نہ جان پر ہمارا خود مختارانہ تصرف رہا نہ اعضا پر نہ مال پر۔ جب ان باتوں کو مسلمانوں نے قبول کر لیا تو گویا یہ کہدیا کہ ہم نے اپنا جان و مال جنت کے معاوضہ میں خدا کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس کے جواب میں خدائتعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ ط

یعنے تمنے اگر جان و مال کو بیچ دیا تو ہمنے بھی بمعاوضہ جنت خرید لیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان بائع ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ مشتری۔ اور جان و مال مبیع ہیں اور جنت اونکی قیمت۔ جب یہ قرار طرفین سے ہو چکا تو حسب عادت صفقہ اور بیعت یعنے ہاتھ میں ہاتھ ملانے کی ضرورت ہوئی تاکہ بیع و شرا پوری اور حتمی وعدہ ہو جائے۔ اب مسلمان تو اس صفقہ کے لئے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں مگر خدائے تعالیٰ کی شان نہیں کہ اپنا ہاتھ اون کے ہاتھ پر رکھے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو ہمارا ہاتھ سمجھ لو۔ اور اون کی بیعت کو ہماری بیعت چنانچہ ارشاد ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یعنے اے نبی جو لوگ ظاہراً آپ کے ہاتھ میں ہاتھ ملاتے ہیں وہ آپکا ہاتھ نہیں ہمارا ہاتھ ہے۔ ید اللہ فوق ایدیھم کیونکہ پیشتر ہی سے مبیع اور اوس کی قیمت کا تصفیہ ہو چکا ہے۔ اب اگر کوئی اس بیعت کو توڑ دے اور اپنی جان و مال میں اپنی ذاتی خواہش اور خود مختارانہ تصرف کرنے لگے اور یہ بھول جائے کہ وہ بطور امانت ہمارے پاس ہیں تو اوس کا نقصان اوسی کو ہوگا کہ ہم بھی قیمت یعنے جنت نہ دیں گے۔ کما قال فمن نکث فانما ینکث علی نفسہٖ اور جو شخص اوس وعدہ کو جو ہاتھ میں ہاتھ دیکر کیا تھا جس سے تکمیل بیع ہو چکی تھی پورا کرے تو ہم اوس کو اجر عظیم دیں گے کما قال اللہ تعالیٰ ومن اوفیٰ بما عاھد علیہُ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیماہ

آیۂ موصوفہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ
کی طرف سے بیعت کرنے والوں کے ہاتھ میں ہاتھ ملاتے تھے۔ اور آپ کا
ہاتھ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ مقصود تھا کہ خدائے تعالیٰ وعدہ
کرتا ہے کہ تم نے اپنے جان و مال کو خدا کے ہاتھ بیچدیا تو خدا تعالیٰ بھی اُنکی
قیمت ادا کردیگا یعنے جنت دیگا۔ ظاہراً اس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت خاص ہوگی کیونکہ یبایعونک کا خطاب
خاص حضرت سے ہے۔ اور یہ تشریف کہ آپکا ہاتھ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ہے
حضرت ہی کے لئے زیبا ہے مگر جب خلفائے راشدین نے بھی بیعت لی۔
اور اوس سے بھی یہی مقصود تھا کہ اہلِ اسلام معاہدہ پر قائم رہیں۔ اور
خدائے تعالیٰ کے طرف سے خلفائے کرام وعدہ کرکے اوس بیع و شراء کو مستحکم
کریں تو اس سے معلوم ہوا کہ ید اللہ فوق ایدیھم بھی وہاں صادق ہے
اس لئے کہ یہ بیع و شراء کوئی نئی نہیں۔ مبیع وہی جان و مال ہیں۔ اور قیمت
وہی جنت۔ کیونکہ ان حضرات کا مقصود اس بیعت سے یہی تھا کہ مسلمان
خدا و رسول کی اطاعت کریں۔ پھر جب دنیا دار بادشاہ بھی بیعت لینے لگے
اور اس سے اونکا مقصود اسی قدر تھا کہ ہمکو مستقل بادشاہ مانو۔ اور ہماری
اطاعت کرو۔ خواہ موافق شریعت حکم دیں یا مخالف ورنہ ہم تمھیں قتل
کرڈالیں گے تو یہ بیعت وہ نہ رہی۔ جسمیں جان و مال ہکے معاوضہ میں

جنت تھی۔ اسوجہ سے یہاں ید اللہ فوق ایدیھم صادق نہیں آسکتا
چونکہ وہ بعیت جو سنت نبوی تھی اوس زمانہ میں فوت ہونے لگی تو بزرگان دین
نے اوس بعیت کا طریقہ جاری کردیا۔ اور اپنے مریدوں کو تلقین کی۔ کہ اپنی
جان ومال خدا کے ہاتھ بیچدو۔ یعنے احکام الہی کی تعمیل کرو تو تمھیں خدا تعالے
جنت دیگا۔ جب اونہوں نے قبول کرکے بعیت کی یعنے ہاتھ میں ہاتھ ملایا
اوران حضرات نے بھی خدا کی طرف سے ہاتھ میں ہاتھ ملایا تو وہ اصلی بعیت
پوری ہوگئی۔ اب اگر کوئی بعیت کے وقت ان امور کا لحاظ نہ رکھے اور وہ
غرض جس کے لئے بعیت موضوع تھی فوت ہوجائے تو وہ بعیت بھی مثل
بعیتِ سلاطین ہوجائے گی جس کو دین سے کوئی تعلق نہیں اس سے ظاہر ہے
کہ اگر کوئی پیرجی اپنے مریدوں کو احکام شرع شریف ادا کرنے سے روکیں یا توجہ
نہ دلائیں۔ اور یہ تلقین کریں کہ نماز روزہ حج وزکوٰۃ جو قرآن وحدیث وفقہ
میں مذکور ہیں کوئی چیز نہیں بلکہ اونکا مطلب ہی کچھ اور ہے۔ اور ظاہر شریعت
بیکار چیز ہے تو اس بعیت کو ہمارے نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے دین سے کوئی علاقہ نہیں اس لئے مسلمانوں کو مشائخین کے ہاتھ پر
بعیت کرنیکے وقت یہ خیال کرنا ضرور ہے کہ ہم نے اپنی جان ومال کو خدا تعالے
کے ہاتھ بیچدیا ہے۔ اور پیر صاحب بھی یہی تعلیم وتلقین کریں کہ اب تمھیں ضرور ہے
کہ ہر کام میں اپنی خواہشوں کو چھوڑکر خدا ورسول کی مرضی کے مطابق کام کیا کرو۔

روض الریاحین میں امام یافعی رح نے لکھا ہے کہ عبد الواحد ابن زید رح کہتے ہیں کہ ہم ایک روز اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تیاری جہاد میں مشغول تھے ایک شخص نے یہ آیت پڑھی۔ ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ایک جوان لڑکا جس کی عمر ۱۵ سال کی ہوگی اوٹھا اور کہا اے عبد الواحد کیا اللہ تعالیٰ نے ہماری جان و مال کو جنت کی عوض میں خرید لیا۔ میں نے کہا ہاں۔ کہا میں آپ کو گواہ رکھتا ہوں۔ کہ میں نے اپنی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا۔ میں نے کہا تلوار کی دھار بہت سخت ہوتی ہے اور تم لڑکے شاید صبر نہ کر سکو گے کہا کیا اب میں اس بیع کو چھوڑ سکتا ہوں۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ غرض اوس لڑکے نے تمام مال جو اوسکی میراث میں ملا تھا خیرات کرکے آمادہ سفر ہوگیا۔ جس روز ہم لوگ جہاد کے لئے نکلے وہ بھی گھوڑے پر چڑھا اور مسلح ہوکر ہمارے ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں اوسکی یہ حالت تھی کہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو نماز پڑھتا اور ہماری حفاظت بھی کرتا۔ جب ہم دار الروم میں پہونچے۔ اور دشمن کا لشکر نمودار ہوا۔ اوس لڑکے نے لشکر کفار پر حملہ کرکے نو آدمیوں کو قتل کیا۔ اور خود بھی شہید ہوگیا۔ حالت نزع میں جب ہم اوس کے نزدیک پہونچے تو دیکھا کہ مارے خوشی کے اوس کی ہنسی تھم نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ اوسی حالت میں اوس کا

انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون یہی بیعت یہ تھی جس طرح صحابہ اپنی
جان و مال سے اپنا تصرف اوٹھا لیتے تھے ان بزرگوار نے بھی ایسا ہی کیا
بیعت یعنے بک جانا اور اوس کے لوازم پورے کرنا ایک سخت کام ہے
اور اگر لوازم پورے نہ کئے جائیں یعنے اپنی خواہشوں کے مطابق کام
کرنے لگیں تو بیعت ٹوٹ جائے گی اولیاء اللہ کو درجہ ولایت وتقرب الٰہی
اس وجہ سے حاصل ہوا اور ہوتا ہے کہ بیعت کو ادنھوں نے پوری کی۔
اور کرتے رہتے ہیں۔ الحاصل خالد رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ پیر کامل
یعنے خلیفہ و جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جب بیعت کی
وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی۔ اس کے بعد اگر حمیت اور غیرت شجاعت وغیرہ
سے اپنے نفسانی خواہش کے مطابق کام لیا جائے تو وہ بیعت ٹوٹ جاتی ہے
اور جب بیعت ٹوٹ گئی تو قیمت یعنے جنت کا استحقاق باقی نہیں رہتا۔
اور عمر بھر کی جانفشانیاں اکارت جاتی ہیں۔ اس لئے اس ذلت پر صبر کرنا
ان پر آسان ہو گیا ورنہ ممکن نہیں کہ فاتح عراق وشام ہزاروں ہم چشموں
کے مجمع میں کھڑے رہکر اظہار دیں۔ اور ایک ضعیف آدمی ان کے گلے میں
رسی ڈالکر کھینچے۔ اور ٹوپی سر سے اتار لے اور وہ دم نہ ماریں یہ صرف اسلام
کی برکات ہیں جو نفسانی خواہشوں کو پامال کر کے مہذب بنا دیتا ہے۔
یہاں ایک بات اور معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ نے جو صحابہ کے حالات کی خبر دی ہے

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم یعنی صحابہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحمدل۔ اس سے اس کیفیت کا مشاہدہ بھی ہوگیا عمر رضی اللہ عنہ نے جو اسراف کی سزا دی وہ بھی بجا تھی کیونکہ ان کو یہ کہنے کی مجال ہی نہ تھی کہ ہم اپنے مال کے مختار ہیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ وہ اب اپنا مال رہا ہی نہیں۔ وہ تو جنت کے معاوضہ میں بک گیا جس کو خدا کے جانب سے خلیفہ برحق نے مول لے لیا اسی وجہ سے اونھوں نے قبول بھی کر لیا اس سے ظاہر ہے کہ پیر کامل کو اپنے مرید کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے جیسا کہ بعض اولیاء اللہ سے مروی ہے۔ مگر یہ نہیں کہ خودغرضی سے تصرف کرے اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انکا مال بیت المال میں داخل کر دیا جس سے عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی ذاتی فائدہ مقصود نہ تھا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو اس ذلت کی حالت میں کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔ اس سے عقلا اندازہ کر سکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کا انتظام پوری سلطنت میں کس قدر ہوگا۔ کیونکہ یہ اس وقت کہہ رہے ہیں کہ فتنہ پیدا ہونے کا ظن غالب ہوگیا تھا۔ کیونکہ ایسے شخص کو ذلیل کرنا جس کو موافق و مخالف نے بڑے بڑے سلطنت کا فاتح تسلیم کر لیا تھا۔ اور اس مقام میں کہہ رہے ہیں جو مدینہ منورہ سے صدہا کوس پر واقع ہے۔ یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ کو کیونکر معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ

کی خلافت میں فتنہ کا احتمال نہیں۔ حالانکہ ناسخ التواریخ سے معلوم ہوتا ہے
کہ عمر رضی اللہ عنہ کو لوگ فظ غلیظ القلب کہتے تھے اور وہ عامہ ناراضی کا
سبب ہوتا ہے جس کا ثبوت خود قرآن شریف سے ملتا ہے کہ حق تعالیٰ
نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ولو کنت فظا غلیظ القلب
لانفضوا من حولک یعنے اگر آپ سخت گو اور سخت دل ہوتے تو لوگ
آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ پھر آپ کے کام بھی ایسے ہوتے تھے
جو دل شکنی کے اسباب ہیں۔ چنانچہ واقعات مذکورہ سے ظاہر ہے۔ پھر خالد
رضی اللہ عنہ نے جو کہا اسی کے موافق ظہور میں بھی آیا۔ اس لئے کہ آپکے
پورے زمانہ خلافت میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ آپکے زمانہ میں
کل وہ بہادران اسلام موجود تھے۔ جنھوں نے عرب عراق شام مصر وغیرہ
کو فتح کیا۔ اور بعد کی خلافتوں میں انہیں کے اکثر حضرات معرکوں میں شہید
ہو گئے۔ اور بعضے انتقال کر گئے۔ باوجود اس کے ان خلافتوں میں بہت سے
فتنے پیدا ہوئے۔ ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ
نے یہ خیال کیا کہ اپنا دل جس خوف و ہراس کا گذر ہی نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ
کے نام سے گھبراتا ہے اور ہیبت و رعب اسقدر طاری ہوتا ہے کہ بات کرنی
مشکل ہو جاتی ہے تو اس سے وہ سمجھ گئے کہ اسمیں عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کو
کوئی دخل نہیں۔ یہ صرف ہیبت حق ہے۔

ہیبت حق است این از خلق نیست	ہیبت این مرد صاحب دلق نیست

اس پر انھوں نے قیاس کیا کہ آپ کے خلافت میں ممکن نہیں کہ کوئی فتنہ پرداز سر اوٹھا سکے۔ یہ بات تو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے۔ جو حق تعالیٰ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی یعنے جب اے نبی تم نے بدر کی لڑائی میں ایک مٹھی کنکریاں کفار پر پھینک ماریں وہ تم نے نہیں پھینکا۔ اللہ نے پھینکا۔ ہرچند کنکریوں کو پھینکنا یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا۔ مگر حق تعالیٰ وہ فعل اپنے طرف منسوب فرماتا ہے اور اسکی تصدیق بھی اس طرح ہوگئی کہ ایک مٹھی کنکریاں تمام لشکر کفار کے آنکھوں میں لگیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل برائے نام تھا۔ دراصل وہ فعل الٰہی تھا۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کے افعال ہی سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ باوجود اس تذلیل و توہین کے شجاعان عرب میں سے کسی نے آنکھ اوٹھاکر نہیں دیکھا۔ کیا وہ تاثیر بندوں کے فعل میں ہوسکتی ہے۔ یہ اللہ کے ہی فعل کی شان ہے۔ کہ سب کو مقہور اور منہ بند کر دیا۔ کیوں نہ ہو عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ و جانشین اور ظل اللہ تھے۔ اسی وجہ سے انکو اس قسم کے حکم کرنے میں تامل نہیں ہوتا تھا

نائب حق آں عمر بے قال و قیل	کار پیغمبر کند بے جبرئیل

اسوقت وہ مغلوب الحال ہوجاتے تھے۔ چونکہ یہ امور اسرار الٰہی ہیں۔

اولیاء اللہ کی کتابوں میں انکا مفصل حال معلوم ہو سکتا ہے۔ ہمیں یہاں اسی قدر بتلانا منظور ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی وہ ہیبت تمام مسلمان و کفار کے دلوں میں تھی جس کا منشا ایک غیر معمولی قوت تھی۔

ناسخ التواریخ کے جلد دوم صفحہ ۳۹۱ میں لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے خبر دی کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بے حساب مال جمع کر لیا ہے آپ نے ان کو خط لکھا کہ اتنا مال تمھارے پاس کہاں سے آگیا۔ انھوں نے لکھا کہ ایسے ملکوں میں ہم نے جہاد کیا جہاں بے انتہا نعمتیں تھیں۔ ان کو فتح کر کے غنیمتیں حاصل کیں۔ یہ مال غنیمت ہے مال خیانت نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان باتوں سے مجھے کوئی کام نہیں۔ محمد بن سلمہ کو میں نے بھیجا ہے جتنا تمھارا مال ہے اس کا آدھا بیت المال میں داخل کر دو انھوں نے آدھا مال داخل کر دیا انتہی۔ اگرچہ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مال داخل تو کر دیا مگر عمر رضی اللہ عنہ پر محمد بن سلمہ کے روبرو بہت کچھ لعن وطعن کیا۔

قرائن سے یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے کہ مال جان سے زیادہ عزیز نہیں ہوا کرتا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ایسے مواقع مہلکہ میں داخل ہو جاتے تھے کہ ان کے خطر جاں ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا جیسا کہ شام و مصر

کہا اگر آپ مجھے اور میرے اہل وعیال اور قبیلے کو امن دیتے ہو تو گنج بحیرجان
آپ کو بتاتا ہوں۔ آپ نے کہا میں کیا جانوں اس خزانہ میں اسقدر روپیہ
ہے یا نہیں۔ کہ اس کے معاوضہ میں ایک قبیلے کو امن دیا جائے۔ اس نے
واقعہ بیان کیا کہ (یزدجرد) بادشاہ عجم (بحیرجان) کی عورت پر عاشق ہوا جو
اس کا وزیر تھا۔ اور نہایت بیش بہا جواہرات اور بہت سا مال اپنی معشوقہ
کے معاوضہ میں دیکر بحیرجان سے اوس کو طلاق دلوائی۔ بحیرجان اس
لڑائی میں مارا گیا۔ اب وہ خزانہ جہاں محفوظ ہے میں جانتا ہوں بشرطِ
امن آپ کو میں دکھلا دیتا ہوں۔ سائب رضی اللہ عنہ اسکو اور اوس کے
لوگوں کو امن دیکر تن تنہا اس کے ہمراہ اس خزانہ پر گئے اور اسکو نکالکر چھپا رکھا
جب غنائم تقسیم ہوئے تو خمس غنیمت لیکر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے
جب آپنے مسجد میں جاکر کل مال غنیمت تقسیم کردیا۔ اسوقت سائب رضی اللہ عنہ
نے عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں اسکی حقیقت بیان کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے
اسی وقت جواہر کا صندوق منگوا کر حضرت علی۔ عثمان۔ طلحہ اور زبیر رضی اللہ
عنہم سے فرمایا کہ اپنی مہریں اسپر کردو۔ اور سائب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ
واپس جاؤ۔ اور بصرہ یا کوفہ میں جہاں لشکر ہو یہ جواہر بیچکر اسکی قیمت
اہل لشکر کو تقسیم کردو۔ پھر ان سے کہا کہ اے سائب تمھیں ایسی کیا ضرورت
تھی کہ مجھے دوزخ میں ڈالنے کی فکر کی۔ غرض وہ جواہر بیچ کر اسکی قیمت لشکر

میں تقسیم کی گئی۔ باوجودیکہ آدھی قیمت پر وہ بکے۔ جب بھی ہر سوار کے حصہ میں چار ہزار درہم آئے۔ انتہی

دیکھئے ان جواہر کا حال نہ اہل لشکر کو معلوم تھا نہ اور کسی کو۔ سائب رضی اللہ عنہ نے اس راز سربستہ کو صرف عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں کہا تھا۔ مگر آپنے اسکا خیال تک آنے نہ دیا۔ کہ آیا کسی حیلۂ شرعی سے اپنے تصرف میں ادسے لاسکتے ہیں یا نہیں اور کم سے کم بیت المال یعنے خزانہ شاہی میں داخل کیا جائے تو کیا نقصان ہے کیونکہ مسلمانوں کو وہ غنیمت میں تو ملا ہی نہ تھا بلکہ یہ سنتے ہی فوراً واپس کر دیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مال کی کیا وقعت تھی۔ غرضکہ ان حضرات کی حالت ہی نرالی تھی۔ اسوجہ سے نہ اس حکم کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال دینے کو لکھا۔ اور نہ عمرو بن عاص کے قبول کرنے کی اصلی وجہ معلوم ہو سکتی ہے۔ ایسے موقع میں اپنے طبیعتوں کو انکی طبیعتوں کو قیاس کرنا بے موقع ہوگا۔

شعر

خدا پنج انگشت یکساں نکرد		نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد

تاریخ واقدی اور ناسخ التواریخ کی صفحہ (۱۶۵) جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب مکہ معظمہ وغیرہ سے لوگ آمادۂ جہاد ہو کر آئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سعد بن خالد کی درخواست پر ان کو نشان دیا۔ اور دو ہزار لشکر کی

سپہ سالاری دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ سعد کو ایسے لوگوں کا افسر بناتے ہو جو اُن سے افضل ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اُن سے نشان واپس منگوا کر عمرو بن عاص کو دیا اور افسر بنایا سعد نے کہا مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ خدا کی قسم جس جنگ میں میں لڑونگا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نشان کے تلے لڑونگا۔ کیونکہ میں نے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے والد کو بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ نے معزول کر دیا تھا۔ اسکا بھی ان کو رنج تھا۔ مگر باوجودیکہ رنج پر رنج ان کو ہوتا گیا۔ اور شکستہ خاطر تھے۔ اگر جہاد میں نہ جا کر واپس ہو جاتے تو ان پر کوئی مواخذہ نہ تھا کیونکہ وہ نوکر نہ تھے اپنی خوشی سے آرہے تھے۔ مگر بات یہ ہے وہ عاشق جانباز تھے۔ اُن کو ذلتوں کی کیا پروا **شعر**

اولین گام است پیش عاشقان در راہ عشق	در گزشتن از سر ناموس و ننگ و جان و مال

ان کو اپنے محبوب حقیقی کے وصال کی غرض سے صرف جان دینے کی ضرورت تھی نہ سرداری سے مطلب نہ نام آوری سے کام **شعر**

سرباخت کسے کہ در رہ عشق	سرداری از و عجوبہ کاریست

ناسخ التواریخ و فتوح الشام میں لکھا ہے کہ یوقنا بطریق جو شجاعت میں

بے نظیر تھا قلعہ حلب میں پناہ گزیں تھا۔ رات کو مسلمانوں پر شب خون
مارتا اور دن کو قلعہ کا دروازہ بند کر دیتا مسلمان اون کے ہاتھ سے
تنگ آگئے تھے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر سے نامی وگرامی ایسا
شخص کا انتخاب کیا جن کی شجاعت وتجربہ کاری تمام لشکر اسلام میں
مسلم تھی۔ اور اون پر دامس رحمۃ اللہ علیہ کو افسر بنایا۔ یہ شخص قبیلہ
بنی کندہ میں کسی کا غلام تھا اس لئے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اون
حضرات سے معذرت کی۔ اونھوں نے کہا وہ تو مسلمان ہیں اگر آپ
کسی کافر کو ہمارا افسر بنادیں تو بھی ہمیں کوئی عذر نہیں۔ دامس رحمۃ اللہ علیہ
اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ کے اطراف اس غرض سے چکر لگائے کہ کہیں سے
اندر جانے کی راہ ملے۔ مگر نہ ملی۔ ایک مقام میں لوگوں کو غافل پایا۔
فصیل قلعہ باوجودیکہ سات قد آدم اونچی تھی کسی تدبیر سے اوپر چڑھ گئے
اور دو شخصوں کو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ کہ طلوع فجر کے
وقت ایک ہزار کا لشکر فلاں دروازہ پر روانہ کر دیجئے۔ اور فصیل پر
جو سپاہی سو رہے تھے اونکو نیچے پھینک دروازہ کی راہ لی۔ دیکھا کہ
دروازہ باہر سے بند ہے اوسکو کھلا دیا اور وہاں کے سپاہیوں کو قتل
کرکے دوسرے دروازہ پر آئے اور اوسکو کھول دیا۔ اوس وقت یوقنا
کو اطلاع ہوئی کہ مسلمان قلعہ کے دروازہ پر قابض ہوگئے۔ فوراً اوس نے

لشکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں۔ اور ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے
اور تمام لشکر نے اون پر حملہ کر دیا۔ داس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ساتھ والے
اٹھائیس شخصوں کو لیکر مقابل ہوگئے اور تکبیر اور تہلیل کے نعرے بلند
کرکے اوس لشکر کثیر پر حملہ کر دیا۔ ادھر اونتیس آدمی اور ادھر چار ہزار
کا لشکر دروازہ کے طرف متوجہ ہے کہ کسی طرح اوس پر قبضہ کرلیں۔
مگر یہ حضرات آہنی دیوار کی طرح اڑے ہوئے ہیں کہ ایک قدم اوس
لشکر کو آگے بڑھنے نہ دینگے۔ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ادھر طرفین
سے کشتوں پر کشتے گر رہے تھے کہ اتنے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
ایک ہزار سوار لیکر پہونچے۔ اور دڑاتے ہوئے قلعہ میں گھسکر تکبیر کا نعرہ
بلند کیا اور اس زور کا حملہ کیا کہ قلعہ والوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔
پھر کیا تھا ہر طرف سے الاماں الاماں کی صدا بلند ہونے لگی۔ اس عرصہ میں
ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ اور فرمایا کہ سب کو جمع کرکے اون پر
اسلام پیش کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے
سچے دل سے اسلام قبول کیا۔ اور اون کے بعد بہت سے سردار مسلمان
ہوئے۔ اسوقت یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں سیدنا محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے خواب میں مشرف ہو چکا ہوں اور قسم
کھاکر کہا کہ توریت اور انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت

موجود ہے۔ فی الواقع یہ وہی پیغمبر ہیں۔ جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے
دی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام میں بہت سے کارنمایاں کئے تھے
اس واقعہ میں بہت سے امور اس قابل ہیں کہ اہل ایمان اون پر گہری
نظر ڈالیں۔ دیکھئے نامی گرامی شجاعان عرب ایک غلام کی ماتحتی میں چلے
جا رہے ہیں۔ اور وہ حضرت جس طرح چاہتے ہیں اون سے کام لیتے ہیں
اگر جان دینے کو کہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ دم مار سکے۔ کس چیز نے اونکو
اس حالت تک پہونچا دیا تھا۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ معشوق
حقیقی کا عشق تھا اوس وقت اونکی نظر نہ غلام پر تھی نہ افسر پر۔ بلکہ ہر ایک
کی زبان حال پر یہ شعر جاری تھا **لمولفہ**

فدائے آنکہ رساند بکوے دوست مرا	بہ بندگیش بنازم کہ خواجہ اوست مرا

رات کا وقت عالم میں سناٹا ہے۔ ہر شخص اپنے آرام گاہ میں خواب نوشیں
کے مزے لے رہا ہے۔ اور یہ حضرات ہیں کہ اپنے مقتل کے گرد ایسے پھر رہے
ہیں جیسے شمع کے گرد پروانہ۔ اور زبان حال پہ یہ شعر جاری ہے۔

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را	کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادہ ما را

صحرا نوردی کے وقت یہ خیال ہے۔

رشتۂ در گردنم افگند دوست	می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کبھی صحرا نوردی سے تھک جاتے ہیں تو سروش غیبی سے ندا آتی ہے۔

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج	بلی بحکم بلا بستہ اند زعہد الست

شوق شہادت دل میں جوش مار رہا ہے کہ اگر موقع ہو تو رات ہی میں یہ معرکہ طے کر دیا جائے۔

بر آں عزمم کہ گر خود میرود سر	کہ سر پوشی از طبق بردارم امشب

مگر چونکہ وعدہ صبح کا تھا اس لئے تمام رات اس انتظار میں گذری کہ صبح کب ہو گی اور کب پیام یار آئے گا۔

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبح گاہی	بہ پیام آشنائی بنوازد آشنا را

خدا خدا کر کے رات کا خاتمہ ہوا اور وعدہ وصل نزدیک پہونچا پھر کیا تھا یہ حضرات علی الصباح بکمال شوق و ذوق سے وعدہ گاہ یعنے دروازہ پر پہونچے جس کا فتح کرنا فتح باب مقصود تھا۔

علی الصباح کہ مردم بکار و بار روند	بلاکشان محبت بہ کوئے یار روند

ہر چند ظاہر بینوں کی نظر میں وہ قلعۂ حلب کا دروازہ تھا۔ مگر ان حضرات کی نظروں میں وہ خاص خلوت سرا کا دروازہ تھا۔ وہاں پہونچتے ہی جاں بازی شروع کر دی۔

ما ہر چو گوے بر سر کوئے تو باختیم	واقف نشد کسیکہ چہ گوہست وایں چہ کہ

مطلب یہ کہ جو لوگ اس کوچہ کے نہیں وہ کیا جانیں کہ معشوق کی گلی کہاں ہے پھر جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو جو تیر اُدھر سے آتا بہ فحوائے۔

گرچہ تیر از کمان ہمیں گذرد	از کمان دار بیند اہل خرد

غنیمت سمجھ کر سینہ و دل و جگر اور آنکھوں میں اوسے جگہ دیتے۔

دیار عشق را نازم کہ طفلان ہوس ناکش	چو پستان می مکند از ذوق زہر آلود پیکانرا

اور جب دشمنان خدا کو تہ تیغ کرتے تو بمصداق آیۂ شریفہ فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم یعنی تم نے اون کو قتل نہیں کیا۔ اللہ نے قتل کیا۔ آپ بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات جس مقام میں تھے وہ مقام عشق ہے جہاں عقل کی رسائی ممکن نہیں۔ جو چون و چرا کر سکے۔ وہاں نہ تعارض دیکھا جاتا ہے۔ نہ تناقض۔ قلبی حالات کے لذتوں میں ایسے مدہوش رہتے ہیں کہ ان چیزوں کی خبر تک نہیں ہوتی۔

عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چون خوش است	عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

اگر کوئی عقل کی راہ سے اونہیں کچھ وعظ و نصیحت کرتے تو کہتے ہیں۔

برو بکار خود اے واعظ این چہ فریاد است	مرا فتاد دل از کف ترا چہ افتاد است

اور ایسا ہی کسی عاشق نے کہا ہے۔

نمیدانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصح را	دل از من سینہ از من آستیں از من کنار از من

الغرض بعضے حضرات نے بڑی بڑی کوششوں اور جاں فشانیوں سے دولت شہادت حاصل کی اور بتلا دیا کہ عشق اسے کہتے ہیں۔

شب انیس پروانہ شرح انتہائے شوق پرسیدم	کف خاکستر افشاند بر دامان فانوسے

سچا عشق یہ ہے اون حضرات نے نہ کبھی مضامین عشق میں موشگافیاں کیں نہ اپنے کو عاشق مشہور کیا۔ نہ ہاے وہو کے نعرے بلند کئے۔ مگر اوسکی حقیقت دکھلادی۔

نالیدن بلبل زنو آموزیِ عشق ست		ہرگز نہ شنیدیم ز پروانہ صدائے

ہم نے جو مضامین عاشقانہ لکھے۔ غالباً بعض حضرات اس پر اعتراض کرینگے کہ اسمیں تکلف کیا گیا اور واقعات میں شاعرانہ مضامین درج کئے گئے۔ مگر دراصل ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہ کے احوال کی صرف ترجمانی کی اگر شبہہ ہو تو اون کے اقوال بھی پیش کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے واقدیؒ نے فتوح الشام میں جنگ اجنادین میں لکھا ہے۔ وردان ساٹھ ہزار جنگی فوج کو خاص طور پر آراستہ و پیراستہ کرکے میدان جنگ میں لایا۔ اسلامی فوج کم ہونے کی وجہ سے معاذ رضی اللہ عنہ نے پرجوش اور زوردار تقریریں کرکے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ پھر حملہ کرنے کو کہدیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا اے معاذ ذرا توقف کیجئے۔ تاکہ میں ان لوگونکو وصیت کرلوں۔ چنانچہ صفوں میں جاکر یہ کہتے تھے کہ دیکھو! کفار تم سے کئی حصے زیادہ ہیں۔ عصر کے وقت تک کسی طرح ٹالے جاؤ۔ کیونکہ اوس ساعت میں مدد ہوتی ہے۔ اس اثناء میں کفار نے تیراندازی

شروع کردی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مگر لوگ خالد رضی اللہ عنہ کے حکم کے لحاظ سے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ ضرار ابن الازور رضی اللہ عنہ نے کہا ما لنا والوقوف والحق سبحانہ تجلی لنا فامرنا بالحملۃ یعنے حق تعالیٰ کی ہم پر تجلی ہوگئی ہے۔ اس موقع میں توقف سے کیا تعلق حملہ کا حکم دیدیجئے۔ دیکھئے ایک جلیل القدر صحابی کھلے لفظوں میں کہ رہے ہیں کہ حق تعالیٰ کی تجلی ہم لوگوں پر ہو چکی ہے۔ اور بیقرار ہیں کہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے کیا اسکی وجہ سوائے اس کے اور کچھ ہو سکتی ہے کہ اس جلوہ گری کے شکریہ میں وہ جلدی سے جان فدا کرنا چاہتے تھے۔ **لمولفہ**

جانانہ زرخ نقاب برداشت	وقت است کہ جاں نثار سازیم

اور کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

گر نثار قدم یار گرامی نکنم	جوہر جان بچہ کار دگرم باز آید

اگر سچی حالت ان حضرات کی گواہی نہ دیتی تو فی الواقع ایسے مواقع میں تجلی الٰہی کا ہونا کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آتا۔ کیونکہ اوروں کو جب عشق ہی نہیں تو تجلی کا راز کیا جانیں۔ **لمولفہ**

زبلبل شنو زانکہ نشنیدہ	تو آں سر کہ از گل نیوشیدہ شد
شرح مجموعۂ گل مرغ سحر داند وبس	کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

اوس تجلی کا یہ اثر تھا کہ اب نہ جان و مال سے تعلق ہے نہ کسی چیز کی آرزو

تا عاشقاں ببوئے نسیمش دہند جاں	بکشود نافۂ و در ہر آرزو ببست

معرکہ کارزار گرم ہے۔ ہنگامہ محشر برپا ہے۔ مگر وہ کچھ ایسے مست نظارہ ہیں کہ آنکھ تک نہیں جھپکتی۔

مژگان بہم نمی زنم از روز رست خیز	غوغای حشر خواب پریشان عاشقی است

کبھی کمال مستی طرب انگیز سے کہتے ہیں۔

خلوت خاص است و جای امن و نزہتگاہ عیش	اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

اس قسم کی یہ بات بھی ہے جو کسی بزرگ نے کہی ہے۔

دار را معراج می خوانند سرداران عشق	عشق کے ہر بوالہوس را بر سر دار آورد

اور کبھی رضا و تسلیم کی حالت میں یہ مضمون زبان حال سے ادا ہو رہا ہے

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت	سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

غرض کہ عشق کا معاملہ ایسا عجیب و غریب ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

عجب راہیست راہ عشق کانجا	کسے سر برکند کش سر نباشد

اور سمجھ میں آئے تو کیونکر۔ عشاق اور آسودہ دلوں کی حالتوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ **لمولفہ**

حال جان سوختگان سوختہ جانان دانند	خام زیں مرحلہ دور است از انش چہ خبر
بلبل زار بفریاد و فغاں مُرد و ہنوز **ولہ**	گل تر خندہ زناں ناز و تبختر دارد

انہوں نے آسایش و تنعم کو پہلے ہی رخصت کر دیا کہ۔

نازپرورد تنعم نبرد راہ بدوست	عاشقی شیوۂ اصحاب بلاکش باشد
نازکاں را سفر عشق حرام است حرام	کہ بہر گام درین رہ خطرے نیست کہ نیست
من آں زماں طمع ببریدم ز عافیت	کایں دل نہاد در کف عشقت زمام را

چونکہ ان حضرات کا عشق کامل تھا اسلئے اسکے آثار برابر مترتب ہوتے گئے اور کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد	اے یار درد نیست وگرنہ طبیب ہست

غرض کہ جب پر اوس خاص تجلی کا پورا اثر ہوا۔ وہ تو واصل حق ہو گئے اور عشق نے اونہیں ٹھکانے لگا دیا۔ **لمولفہ**

عشق از جانب معشوق پدید است اول	دل برد اول و جاں نیز برد آخر کار

مگر جو لوگ شہادت سے معرکوں میں محروم رہتے تھے۔ اگرچہ اون کو فتح اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خوشی تو ہوتی۔ مگر اسکا غم ضرور ہوتا تھا کہ اس دولت عظمیٰ سے محروم واپس جاتے ہیں۔

از در دوست چہ پرسی بچہ عنواں رفتم	ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

اون کی زبان حال پر یہ مضمون جاری رہتا تھا۔ **لمولفہ**

نازش بہ بیں کہ سر بنہادیم زیر تیغ	پرداخت با رقیب و سوئے ما نظر نہ کرد
طغیان ناز بیں کہ جگر گوشۂ خلیل	در زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

آخر یہ کہہ کر دل کو تسکین دیتے۔

میل من سوے وصال و قصد او سوے فراق	ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

جب اون کشتگان خنجرِ تسلیم کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تو کہتے کہ۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی	بیاد آر حریفاں بادپیما را

ہمارے اس کلام کی تصدیق کئی شہادتوں سے ہو سکتی ہے۔ فتوح الشام صفحہ (۱۷) میں واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے خالد ابن الولید کا قول نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں واللہ اهلیت نفسی مرار القتل لعلّی ارزق الشهادة یعنے خدا کی قسم بارہا میں نے اپنے نفس کو تلوارو کے روبرو بطور ہدیہ پیش کیا۔ اس امید پر کہ شہادت نصیب ہوگی مگر افسوس کہ نہ ہوئی۔ اور نیز واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۲۳) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کو فتح پر فتح ہونے لگی تو ہرقل نے کہا کہ اگر عار نہ ہوتی تو میں ملک شام کو چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا جاتا۔ مگر اب بغیر اسکے چارہ نہیں کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی ذات سے جاؤں ارکین دولت نے کہا یہ مناسب نہیں۔ وردان حاکم حمص نہایت جواں مرد شخص ہے اوسکی قوت اور معرکہ آزمائیاں ایسے ہیں کہ ہمارے ملک میں اوسکی نظیر نہیں اوسکو مسلمانوں کے مقابلہ میں روانہ کیجئے۔ ہرقل نے اوسکو بلوایا اور بارہ ہزار سوار دیکر روانہ کیا۔ روانگی کے وقت اوس نے وعدہ کیا کہ

جناب خالد رضی اللہ عنہ اور اون کے ہمراہیوں کا سر نہ لاؤں۔ اور ملک حجاز میں جاکر اونکی عبادت گاہوں کو منہدم نہ کردوں۔ واپس نہ آؤنگا۔ جب اوس کے آنے کی خبر پہونچی خالد رضی اللہ عنہ نے ضرار ابن الازور سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم پانچ ہزار سوار لیکر اوس کے مقابلہ کو جاؤ۔ یہ سنتے ہی ضرار رضی اللہ عنہ نے نہایت خوشی سے کہا وافرحتاہ اے خالد رضی اللہ عنہ اسوقت جو مجھے مسرت ہوئی ہے۔ کبھی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی آپ مجھے اجازت دیجئے۔ میں تنہا اوس کے مقابلہ میں جاتا ہوں۔ یہ کہکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر چند خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فوج کو جمع ہو جانے دو۔ مگر اونہوں نے نہ مانا۔ اور کہا خدا کی قسم میں اب نہیں ٹھیر سکتا۔ جس کو توفیق ہوگی راہ میں مجھ سے آملیگا۔ یہ کہکر فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہوگئے پھر فوج پیچھے سے روانہ ہوئی۔ جب مقابلہ کا وقت آیا۔ تو سوائے پائجامہ کے کل لباس اُتار دیا۔ اور ہتیاروں میں سے صرف نیزہ لے لیا۔ اور سخت مقابلہ کرکے بہتوں کو قتل کیا۔ آخر جب نیزہ ٹوٹ گیا تو کفار نے اون کو گرفتار کرلیا۔ یہ خبر جب خالد رضی اللہ عنہ کو پہونچی۔ تو فوراً روانہ ہوئے۔ اور سخت مقابلہ کرکے اون کو چھوڑا لائے۔ انتہی ملخصاً

اب غور کیجئے کہ کس چیز نے اونکو دشمن کے مقابلہ میں جانے پر ایسا

بیقرار کردیا کہ ہزاروں کے مقابلہ میں برہنہ تن نکل کھڑے ہوئے بجز اسکے
اور کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ صرف شوق شہادت تھا۔

بشہید تو نہ زیبد کفنے بہتر ازیں	غوطہ در خون خود از فرق زند تا بقدم

اس لئے کہ شہادت سے مقصود موت ہے۔ جسکی نسبت کہا جاتا ہے
الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب یعنے موت ایک پل ہے
کہ اوس کے پار ہوتے ہی اپنے محبوب کی ملاقات ہوتی ہے۔
اب غور کیجئے کہ جو شخص شوق شہادت میں اتنا سامان کرے کہ ہزاروں
تیر نیزے شمشیروں کے روبرو اپنا تن برہنہ پیش کرے۔ اور اس پر بھی
وہ حاصل نہ ہو تو کس قدر اوسکو حسرت ہونی چاہئے۔

تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب مسیلمہ کذاب کے واقعہ میں زید ابن
خطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی شہید ہوئے۔ اور عبد اللہ بن عمر
رضی اللہ عنہ اپنے گھر واپس آگئے تو اپنے والد سے افسوس ناک لہجہ میں
کہا کہ چچا صاحب نے شہادت کی دعا کی۔ اور وہ اون کو نصیب ہوئی
اور میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے بھی نصیب ہو۔ مگر نہوئی۔ انکے سوا
اور بہت سے واقعات صحابہ رضی اللہ عنہ کے تصریحات ہیں جن سے
ظاہر ہے کہ ہمیشہ اون کو شہادت کی تمنا رہاکی۔ اور معرکوں میں اوسکے
حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اب کہیے کہ ساتھ والے جب اس دولت سے بہرہ یاب ہوتے ہونگے
تو وہ کس حسرت بھری نگاہوں سے اوس کو دیکھتے ہونگے۔ اور کس قدر
اون کو رشک ہوتا ہوگا۔

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ (۳۸۱) میں لکھا ہے۔ جب مصر پر
اہل اسلام کی چڑہائی ہوئی سات مہینے کفار کے ساتھ سخت مقابلے رہے
مقوقس بادشاہ مصر نے کچھ مال دیکر صلح کرنا چاہا۔ تو عبادہ ابن صامت
رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم جو تم سے لڑتے ہیں اوس سے ہمارا مقصود
نہ مال ہے۔ نہ جاہ۔ تم یا مسلمان ہو جاؤ۔ یا جزیہ قبول کرلو۔ ورنہ ہم تم سے
ضرور لڑینگے۔ کیونکہ ہمارا مقصود جنگ سے شہادت ہے ہمیشہ ہماری
دعا یہ ہے کہ الٰہی ہمکو یہاں سے اپنے گھر اور اہل وعیال کی طرف واپس
نہ لیجائیو اور شہادت سے محروم نہ کیجیو انتہیٰ۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ جنگ پر جاتے ہیں کیسی کیسی منتیں اور
دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ کہ الٰہی خیر وعافیت سے ہمیں اپنے گھر پہونچائیو۔
اور اون حضرات کا یہ حال ہے کہ بجائے صحیح وسالم پہونچنے کے
یہ دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہی جس آرزو اور شوق سے ہم گھر سے نکلے ہیں
وہ مراد ہماری پوری کر ایسا نہ ہو کہ کہیں صحیح اور سالم گھر پہونچ جائیں۔
کیونکہ اس جہاد سے ہمیں نہ ملک گیری مقصود ہے جس سے ہمیں دنیا

میں جاہ و منزلت حاصل ہو نہ مال۔ بلکہ مقصود اصلی صرف تیرا دیدار ہے۔

شعر

مرا بکار جہاں ہرگز التفات نبود	رخ تو در نظر من چنین خوشش آراست

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۴۱) میں لکھا ہے کہ زید بن سعید رضی اللہ عنہ کا نکاح اونکی چچا کی لڑکی سے ہو کر تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ دمشق کی لڑائی میں وہ سخت زخمی ہوئے لوگ اونکو معرکۂ جنگ سے لشکر میں لائے انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم جس چیز کی مجھے آرزو تھی وہ نصیب ہوئی۔ اور کلمہ شریفہ پڑھتے ہوئے انتقال کئے جب یہ کیفیت اونکی دلہن کو معلوم ہوئی وہ دولہے کے دیدار کو اس حالت میں آئیں کہ ہنوز مہندی کا رنگ ہاتھوں سے اوڑا نہ تھا۔ اور خوشبو جو نکاح کے دن سر میں لگائی گئی تھی اوسکی بو تک باقی تھی۔ بے اختیار اون پر گر کر کہا کہ جو دولت تمھیں خدا نے دی ہے تمھیں مبارک ہو۔ تم خدا کے پاس چلے گئے جس نے تمھیں ہمیں ملا کر جدا کر دیا۔ اب میں نے بھی اپنے نفس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا امید ہے کہ تم سے عنقریب ملاقات ہو جائے۔ اوس کے بعد وہ ہر معرکہ جنگ میں برابر شریک ہو رہیں۔ چنانچہ بہت سے کفار کو اونہوں نے قتل کیا۔ انتہی ملخصاً۔

ہر شخص جانتا ہے کہ دولہا کی موت پر نئی دلہن کا کیا حال ہوا کرتا ہے مگر اونکو اپنے شوہر سے کمال درجہ کی محبت تھی۔ اونہوں نے دیکھا کہ اب

محبوب کو آج وہ دولت نصیب ہوئی کہ اوس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی یعنے وصال الہی۔ جس سے اون کو آج وہ مسرت ہے جو عمر بھر نصیب نہیں ہوئی تھی اوس مسرت کے خیال نے اون کے دل پر وہ اثر ڈالا کہ غم آنے ہی نہ پایا۔ کیونکہ آدمی کو اپنے دوست کی خوشی سے خوشی ہوا کرتی ہے۔ اور جس قدر کسی سے زیادہ محبت ہوگی اوسی قدر اوسکی خوشی کا زیادہ اثر محسوس ہوگا۔ غرضکہ اون بی بی کو شہادت اور وصال الہی کی قدر تھی۔ اور کمال درجے کا ایمان تھا جس نے مقتضائے بشری اور طبعی امور کو بھی آنے نہ دیا۔ شوق شہادت اور عشق کے واقعات اسقدر ہیں کہ اگر بیان کئے جائیں تو ایک کتاب ہو جائیگی

تاریخ واقدی میں واقعہ جنگ یرموک میں لکھا ہے کہ ایک پہلوان نہایت تن آور اور قوی ہیکل مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلا۔ ادھر سے ایک نوجوان مقابل ہوئے۔ اس نے انکو شہید کر ڈالا معاذ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ خود اسکا مقابلہ کریں۔ مگر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیکر کہا کہ آپ نہ جائیے۔ مجبور ہو کر واپس ہوئے اور پکار کر کہا اے مسلمانوں تم میں کوئی ہے کہ میرے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے ہتیاروں سے اوس کا مقابلہ کرے۔

یہ سنتے ہی آپ کے کم عمر فرزند جو ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے

پیش ہوئے اور کہا کہ ابّا جان گھوڑا مجھے عنایت کیجئے۔ چنانچہ وہ اپنے والد کے ہتیار لگا کر اس گھوڑے پر سوار ہوئے اور پدر بزرگوار سے کہا کہ اگر میں زندہ رہا تو خیر۔ ورنہ آپ پر میرا یہ آخری سلام ہے۔ اگر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہو تو مجھے فرما دیجئے اونہوں نے کہا بیٹا میرے طرف سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہونچا کر عرض کرنا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو امت کے طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ کہکر کہا۔ اے فرزند اب سدھارو۔ خدائے تعالیٰ تمھیں توفیق عطا کرے۔

غرض انہوں نے اس پہلوان پر سخت حملہ کیا۔ اور طرفین سے معرکہ آزمائی ہوئی آخرکار انکو زخم کاری لگا اور شہید ہو گئے۔ انتہیٰ ملخصاً دیکھئے فرشتہ صفت صاحبزادے ہتیاروں سے آراستہ گھوڑے پر سوار ہوکر کس خوشی سے اس دیو کے مقابلہ میں جارہے ہیں جیسے کوئی بن ٹھن کر گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی دلہن کے گھر جاتا ہے اور وہ ضعیف پدر بزرگوار اپنے ہونہار فرزند کو ہتیاروں سے سجا کر گھوڑے پر سوار کر رہے ہیں اسوقت اون کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ اِدھر دیکھتے ہیں تو ایک خونخوار دیو کے مقابلہ میں ناتجربہ کار نابالغ فرزند جارہے ہیں جن کی کامیابی اور سلامتی سے بالکل یاس ہے۔ اودھر جب اپنے آقائے

نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ پڑتی ہے تو بے اختیار دل پکار اوٹھتا ہے
کہ ایک کیا اگر ایسے ہزار لڑکے ہوں تو اون کے حکم پر فدا کرنا چاہئے۔
اور ہر وقت اشفاق مربیانہ جو پیش نظر تھے اوس حالت میں بھی صاحبزادہ
کے زبانی یہی کہلایا۔ کہ آپکے احسانوں کا بدلہ ہم سے کیا ہو سکے بجز اسکے
کہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے طرف سے خدا تعالیٰ آپکو جزائے خیر دے **شعر**

ہزاراں بار منت آنچناں بر گردنم دارے	کہ گر جاں ہم دہم الحق محقر ہدیہ باشد

غرضکہ عشق الٰہی نے ان حضرات کے دلوں کو شوق شہادت سے لبریز کر دیا تھا
جسکی وجہ سے اونکو نہ اپنی حریت کا خیال تھا نہ واسں رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی پر نظر

در مدرسۂ عشق ز اسباب وجد نبود بحث	ہست ابجد ایں مدرسہ از خویش گزشتن

واسں رحمۃ اللہ علیہ ہر چند غلام تھے۔ مگر چونکہ مقتل اور شہادت گاہ کی
طرف لیجا رہے تھے اون کے نظروں میں بڑے محسن اور قابل شکر اور
واجب الاطاعت تھے **شعر**

سرت گردم سرم برپائے جانانم بر اندازی	بگردش جانم اے جلاد گیرو زود ہمت کن

دوسرا امر اس واقعہ میں قابل غور یہ ہے کہ جس شخص کے مقابلہ میں صاحبزادے
جا رہے ہیں اوسکی کیا حالت تھی اوس وقت نہ اون کو خیال آیا کہ اپنے
نازک ہاتھوں کا اوس پیل تن جنگ آزمودہ مقابل پر کیا اثر ہوگا۔
اور نہ بدر ربزرگوار ہم اہیان تجربہ کار نے کہا کہ صاحبزادے اسکی مقابلہ میں آپ اپنی

جان کو ہلاکت میں نہ ڈالئے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان حضرات نے معمولی عقل کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اور مقصود اصلی صرف شہادت اور وصال الٰہی تھا۔

فتوح الشام میں واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ حلب ایک مستقل سلطنت تھی۔ اوس میں دو بھائی تھے۔ ایک کا نام یوقنا تھا اور دوسرے کا یوحنا۔ یوحنا زاہد و عابد شخص تھا۔ اور یوقنا سپاہی اور جوانمرد جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حلب کے جانب رخ کیا۔ اور یوقنا جنگ کے آمادہ ہوا۔ یوحنا نے صلح کی رائے دی اوس نے نہ مانا۔ اور اپنی جوانمردی اور تجربہ کاری کے حالات بیان کرنے لگا۔ یوحنا نے ہنسکر کہا بھائی شاید آپ کی موت قریب آپہونچی ہے۔ جو آپ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہو۔ اس عرصہ میں کعب ابن حمرہ ایک ہزار فوج لیکر حلب کے قریب آپہونچے۔ یوقنا پانچ ہزار فوج کے ساتھ بہ ارادہ شب خون ایسے وقت پہونچا کہ اہل اسلام نماز صبح کی تیاری میں مشغول تھے۔ اول تو مسلمان ایک ہزار اور کفار پانچ ہزار۔ اوس پر علاوہ یہ کہ مسلمان سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ پانچ ہزار لشکر جرار کا اون پر حملہ ہوگیا۔ باوجود اسکے مسلمان نہایت استقلال سے لڑتے رہے کہ دشمن کی اور فوج کثیر کمک کے لئے آپہونچی اور ساتھ ہی حملہ کردیا۔ جب مسلمانوں نے اس فوج کثیر کو دیکھا تو یقین

کر لیا کہ اب جانبری کی امید نہیں۔ کعب بن صمرہ رضی اللہ عنہ کمال اضطرار کی حالت میں یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل کہتے ہوے مسلمانوں کو تسکین دیتے جاتے تھے۔ کہ اب نصرت آتی ہے۔ ایک دن ایک رات اسی حالت میں معرکہ کارزار گرم رہا۔ اس اثناء میں اہل حلب نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر صلح کرلی۔ جب وہ شہر کو واپس آئے تو یوقنا کو خبر ہوئی کہ اہل حلب مسلمانوں سے صلح کرکے اون کے طرفدار ہوگئے یوقنا کمال غصہ سے فوج کو ہمراہ لے شہر میں گیا۔ اور صلح کرنیکے الزام میں قتل عام شروع کردیا۔ جس سے تمام شہر میں واویلا مچ گیا۔ یوحنا نے پاس آکر خیر خواہانہ صلح کرنیکی گفتگو کی۔ جس سے طرفداری اہل اسلام کی معلوم ہوتی تھی چونکہ یوقنا نہایت غصہ میں تھا۔ یوحنا سے کہا کہ تو پہلے واجب القتل ہے جب اوس نے تلوار کھینچی تو یوحنا رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کے طرف دیکھ کر کہا یا اللہ تو گواہ رہ کہ میں اس قوم کے دین کا مخالف ہوں۔ اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھکر اپنے بھائی سے کہا اب جو جی چاہے کرلے۔ چنانچہ یوقنا نے اوسکا سر اوڑادیا اور اہل حلب کو قتل کرنا شروع کیا۔ نہ کسی کا عذر سنتا تھا نہ فریاد۔ تین سو آدمی قتل ہوئے تھے۔ کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں آپہنچے اور اونکا واویلا سن کر شہر میں داخل ہوگئے۔ اور سخت لڑائی ہوئی۔ یوقنا تاب نہ لاکر

بھاگا۔ فوج کے ساتھ قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اور چار پانچ مہینہ اہل اسلام نے اوس قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اس مدت میں یوقنا نے مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال رکھا تھا۔ آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوقنا کے خواب میں تشریف فرما ہوے۔ چنانچہ اوس فیضان دیدار نبوی سے وہ مشرف بہ اسلام ہوے۔ انتہی ملخصاً

دیکھئے ایسا متعصب شخص کہ صرف مسلمانوں سے صلح کرنیکے جرم میں اپنی قوم کے قتل عام کا حکم دیدیا اور چار پانچ مہینہ لشکر اسلام کو سخت پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ایسے شخص کو صرف ایک نظر میں مسخر کر لینا کیا کوئی معمولی بات ہے۔ اگر اسکو معجزہ نہ کہیں تو پھر معجزہ کس چیز کا نام ہوگا اسمیں شک نہیں کہ وہ ہدایت ازلی کا ظہور تھا۔ مگر عالم اسباب میں جو کام ظہور میں آتے ہیں۔ اسباب ہی سے متعلق سمجھے جاتے ہیں اسی وجہ سے قاتل مستحق قصاص ہوتا ہے۔ حالانکہ بمصداق اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ مقتول کا مرنا اوسوقت ضروری ہوتا ہے اسی طرح ماں باپ کے احسان ماننے کا حکم ہے حالانکہ بچہ کے موجود کرنے میں اون کو کوئی دخل نہیں۔ اگرچہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ سے ثابت ہے وہ رمی خدائے تعالیٰ کی تھی۔ مگر بحسب ظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح

اس خواب میں بھی معجزہ ظاہر ہوا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب قلعہ فتح ہوگیا۔ اور مال غنیمت تقسیم ہوا تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے سے کہا کہ الحمد للہ اس قلعہ کے بعد یہاں کوئی ایسا مقام باقی نہیں۔ جس سے خوف ہو۔ اب انطاکیہ پر چڑھائی کرنی چاہئیے۔ جو ہرقل کا پایۂ تخت ہے۔ یا اور کوئی مقام مناسب ہے۔ یہ سنتے ہی یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عربی فصیح تقریر شروع کی۔ کہ اے امیر خدائے تعالیٰ نے آپ کو دشمن پر فتح دی ہے اور اوسکی وجہ یہی ہے کہ آپ کا دین سچا ہے۔ اور نبی آپکے وہ ہیں جن کی خبر عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے کہ وہ یتیم ہونگے۔ اور اونکو اون کے دادا اور چچا پرورش کرینگے۔ کیا یہ بات سچ ہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں سچ ہے مگر میں حیران ہوں کہ کل تم ہمارے سخت دشمن اور ہمارے لشکر کو تباہ کرنے کی فکر میں تھے اور آج خیر خواہ معلوم ہو رہے ہو۔ اور میں نے سنا ہے کہ تمھیں عربی بات نہیں آتی۔ حالانکہ تم اسوقت فصیح عربی بول رہے ہو۔ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اے امیر کیا میرے ایمان لانے پر آپ کو تعجب ہے۔ کہا ہاں۔ کہا واقعہ یہ ہے کہ کل میں اس امر میں نہایت متفکر تھا۔ کہ آپ لوگ ہمارے قلعہ تک کس طرح پہونچ گئے حالانکہ

اسلام یوقنا

ہمارے نزدیک کوئی قوم عرب سے زیادہ ضعیف نہیں سمجھی جاتی اسی فکر
میں میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص تشریف فرما
ہیں جن کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ روشن ہے اور اونکی خوشبو مشک سے
زیادہ بہتر میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ کہا یہی تو محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں نے اون سے عرض کیا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں
تو دعا کیجئے کہ خدائے تعالیٰ مجھے عربی بات سکھلا دیوے۔ فرمایا اے یوحنا
میں محمد ہوں عیسیٰ علیہ السلام نے میری ہی بشارت دی ہے۔ اور میرے
بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اگر خواہش ہو تو کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
یہ سنتے ہی میں نے حضرت کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور اسلام سے مشرف ہو گیا
جب بیدار ہوا تو میرے منہ میں مشک سے بہتر بو آرہی تھی۔ اور مجھے
عربی بات بھی آگئی۔ اوس کے بعد میں اپنے بھائی یوحنا کے کتب خانہ میں گیا
دیکھا کہ اوسمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھے ہیں چنانچہ وہ حالات
بیان کرکے سجدۂ شکر بجالایا۔ اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس سچے
دین کی طرف ہدایت کی۔ اور میرے دل میں اوسے راسخ اور مستحکم کر دیا۔
میں جس طرح اب تک اطاعت شیطان میں جنگ کرتا تھا۔ اب خدا کی راہ
میں کرونگا۔ یہانتک کہ اپنے بھائی یوحنا سے جا ملوں۔ اوسکے بعد یوحنا
کی جو بے قدری کی تھی اوس پر بہت رو کر کہا کہ سب مسلمان گواہ رہیں کہ

جس قدر میں مشرکوں کے قتل میں کوشش کرونگا اوس کا ثواب یوحنا کو
بخشتا ہوں۔ اور قسم کھا کر کہا کہ اب میرے دل میں خدا اور رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کے سوا کسی کی محبت باقی نہیں۔ اوس کے بعد رائے دی
کہ ابھی انطاکیہ کا ارادہ مناسب نہیں۔ اسوقت قلعہ اعزاز کا قصد
کرنا چاہیے۔ چنانچہ اون ہی کے تدابیر سے وہ قلعہ فتح ہوا اور فتح انطاکیہ
وغیرہ میں اون سے بہت کارنمایاں ظہور میں آئے۔ ہر صحیح وجدان والا
شخص اپنے وجدان سے اسوقت کی کیفیت کا مشاہدہ کرسکتا ہے
کہ ایک سخت کافر جس نے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا تھا زبان عربی سے
محض ناواقف فصیح عربی سے تقریر کر رہا ہے کہ محبوب رب العالمین
صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر ایک ایسا کرشمہ دکھلا دیا
کہ طبیعت کا رنگ ہی بدل گیا۔ اور جتنے منصوبے تھے سب کی کایا پلٹ
ہوگئی بمصداق شعر لمولفہ

چو عکس رخت تافت بر جان من	ہمہ دیدہ گوئی کنا دین شد

اس مژدۂ جاں فزا سے مجمع عشاق نبوی پر عجیب قسم کی کیفیت طاری ہے اور
اوس عالم وجد میں ہر ایک کی زبان حال پر یہ شعر جاری ہے ؎

ندمر البستہ گیسوئے پریشاں داری	غمزۂ خاص بہر گبر و مسلماں داری

غرض کہ اوس خواب سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات

اوس عالم میں برابر جاری ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ
اوس عالم میں اور بھی زیادہ قوی ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ جبتک آپ
اس عالم میں تشریف رکھتے تھے متعصب کفار پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بخلاف
اوس کے اوس عالم میں ایسے سخت متعصب شخص کو ایک بار کہہ دینا
کافی ہو گیا۔ اسی وجہ سے عاشقان جمال نبوی ہمیشہ اس آرزو میں
رہتے ہیں کہ دولت دیدار سے مشرف ہوا کریں۔ اور فی الواقع اوسکے
آثار و برکات بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ جس طرح یوقنا پر اوس عالم میں
نظر ڈالنا کافی ہوا۔ اسی طرح اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے جو
واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح حمص میں لکھا ہے کہ ایک قسیس نے
جو ہرقل کا معتمد علیہ تھا ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب
میں دیکھا۔ اور اوسی کے صبح مشرف بہ اسلام ہوا۔

فتوح الشام اور ناسخ التواریخ میں واقعۂ فتح بصریٰ میں لکھا ہے
کہ وہاں کا بادشاہ روماس نامی نے عین میدان جنگ میں چند سوال
اسلام سے متعلق خالد رضی اللہ عنہ سے کئے۔ اور جوابات سن کر خفیہ
طور پر مسلمان ہو گیا۔ ہر چند اپنے لشکریوں کو مسلمان ہونے کو کہا مگر کسی
نے نہ مانا۔ بلکہ اوس کی جگہ پر دیرجان کو مقرر کیا۔ اور کئی روز جنگ ہوتی
رہی۔ ایک رات روماس رحمۃ اللہ علیہ نے کسی تدبیر سے مسلمانوں کو

اسلام روماس رحمۃ اللہ علیہ

قلعہ میں پہونچا دیا۔ چنانچہ وہاں سخت لڑائی ہوئی اور رودیرجان مارا گیا۔
بعد فتح روماس رحمۃ اللہ علیہ کی بی بی خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔
اور کہا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نہایت خوبصورت
نورانی چہرہ تشریف فرما ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ شام و عراق مسلمانوں کے
ہاتھ فتح ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت آپ کون ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں
محمد رسول اللہ ہوں۔ پھر مجھے اسلام لانے کو فرمایا۔ چنانچہ میں مسلمان ہو گئی
اوس کے بعد حضرت نے مجھے دو سورتیں قرآن کی سکھلائیں۔ خالد
رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا وہ سورتیں تم پڑھ سکتی ہو کہا ہاں۔ چنانچہ سورۂ
فاتحہ اور قل ہو اللہ پڑھ کر سنادیں۔ چونکہ اون کو روماس رحمۃ اللہ علیہ
کے مسلمان ہونیکا حال معلوم نہ تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ روماس
یا مسلمان ہو جاوے یا مجھے چھوڑ دے تاکہ میں مسلمانوں میں اپنی زندگی
بسر کروں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ہنس کر کہا کہ وہ تو تم سے پہلے ہی مسلمان
ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر وہ نہایت خوش ہوئیں۔ انتہیٰ ملخصاً

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا
کہ روماس رحمۃ اللہ علیہ مسلمان ہونے کی وجہ سے جلا وطن ہو رہے ہیں
آپکی طبع غیور نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بالکل بے مونس و بے غمخوار ہو جائیں
اس لئے اونکی بی بی کو مسلمان ہونیکے لئے حکم فرمایا۔ چنانچہ صرف اسی

ایک ارشاد پر مسلمان ہوگئیں اور اسلام بھی کیسا کہ اپنا خان و مان اور شہر کو چھوڑ کر جلا وطن ہونے پر اونکو آمادہ اور مستعد کر دیا۔ حکومت اسے کہتے ہیں کہ ادھر حکم ہوا ادھر تعمیل ہوگئی۔ کیا یہ بغیر تصرف کے ممکن ہے۔ پھر تصرف بھی کہاں۔ عالم ارواح میں جہاں دلوں پر تصرف ہوا کرتا ہے کیونکہ در حقیقت دل تابع روح ہے جس کو اصطلاح میں نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

غرض کہ کسی طرح سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات اوس عالم میں جاری ہیں۔ جن کا اثر اس عالم میں نمایاں ہوتا ہے اسی وجہ سے کعب ابن ضمرہ رضی اللہ عنہ جن کا حال ابھی معلوم ہوا انھوں نے جب دیکھا کہ کفار کی بے شمار فوج کے مقابلے میں اہل اسلام کا سر بر ہونا دشوار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا کہ جلد مدد فرمائیے۔ اور اوسکا ظہور بھی اس طور پر ہوا کہ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور فتح بھی کیسی کہ خود بادشاہ فریق مخالف اسلامی فوج کا ایک سپاہی خیر خواہ بنگیا۔ یہ اون حضرات کی خوش اعتقادی کا اثر تھا کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کامیابیوں میں وسیلہ بناتے اور مواقع مہلکہ میں باعث نجات سمجھتے تھے۔ اب ایسے مستند وسیلہ کو کوئی کھو بیٹھے تو وہ قسمت کی بات ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ صرف کعب ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارا۔ بلکہ صحابہ کا عام دستور تھا کہ سختی کے وقت حضرت کو پکارتے

اور مدد طلب کرتے تھے۔ چنانچہ تاریخ کامل میں علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کی فوج تقریباً ساٹھ ہزار تھی۔ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگ بہت کم تھے۔ جب اُن کے سخت حملے ہونے لگے تو مسلمانوں کے پاؤں اوکھڑ گئے۔

لکھا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے ایسی مصیبتیں اور سختیاں اوٹھائیں کہ کسی جنگ میں نہیں اوٹھائیں۔ جب خالد رضی اللہ عنہ اور اون کے رفقا نے جو ثابت قدم تھے دیکھا کہ نہایت نازک حالت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا۔ چنانچہ وامحمداہ وامحمداہ۔ ہر صحابی کی زبان پر اوسوقت جاری تھا۔ پھر بفضلہ تعالیٰ اوسکا یہ اثر ہوا کہ مسیلمہ کذاب واصل جہنم کیا گیا۔ اور اوسکی فوج کو شکست ہوئی انتہی ملخصاً دیکھئے اس جنگ میں کل صحابہ تھے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی ساتھ ہی یہ جنگ ہوئی۔ اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ حضرات مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے اور مدد مانگنے سے معاذاللہ مشرک ہوگئے تھے۔ اگر یہ حضرات مشرک ہوں تو یہ مضمون صادق آئے گا۔ **مصرعہ**

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

صحابہ کے طریقۂ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

اشد ضرورت کے وقت پکارتے تھے۔ ہر وقت اوٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ کہنے کی عادت نہیں کی تھی۔ ناسخ التواریخ میں جنگ یرموک کے حال میں لکھا ہے کہ چار لاکھ آدمیوں کی فوج تھی۔ اور بقول واقدی رحمۃ اللہ علیہ اوس کے دو چند یا سہ چند یعنے بارہ لاکھ تھی۔ اور اسلام کی فوج بہت کم تھی اسوجہ سے بارہا ہزیمت ہوئی اور سنبھل کر پھر حملہ کرتے چنانچہ ایکبار اوس حصہ کی فوج کو ہزیمت ہوئی جسمیں ابو سفیان رضی اللہ عنہ تھے اور اونکا گذر عورتوں پر ہوا۔ ہندہ رضی اللہ عنہا جو ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بی بی تھیں اونھوں نے خیمہ کا ستون لیا اور ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے منہ پر مار کر ابو سفیان سے کہا کہ اے صخر حرب کے بیٹے تم کہاں بھاگ رہے ہو۔ یہ وقت جان فدا کرنے کا ہے تاکہ اوسکا بدلہ ہو جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تم کفار کو برانگیختہ کرتے تھے۔ چنانچہ وہ مع فوج شکستہ پھرے اور کفار پر حملہ کیا۔ لکھا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے چھ ہزار سوار لے کر فوج کفار کے قلب پر حملہ کیا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اوسوقت اون سب کی زبان پر یا محمد یا منصور امتک امتک جاری تھا یعنے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اے فتح مند اپنی امت کی خبر لیجئے۔ خبر لیجئے۔ دیکھئے چھ ہزار صحابہ اور تابعین بارہ لاکھ فوج کفار کے مقابلہ میں جب لڑ رہے ہونگے تو بمقتضائے

بشریت اون کے دلوں کی کیا حالت ہوگی۔

اسمیں شک نہیں کہ شوق شہادت پسپا نہیں ہونے دیتا تھا۔ مگر یہ بھی منظور نہ تھا کہ امت نبوی فنا ہوجائے۔ ہرچند عشق الٰہی کا مقتضی یہ تھا اس عالم سے سفر کرکے وہاں کے مزے حاصل کریں۔ مگر حقوق ولی نعمت جو پیش نظر ہوگئے تو اس لحاظ سے کہ وہ خود غرضی پر کہیں محمول نہ ہوجائے پکار کر کہدیا کہ حضرت اپنی امت کی خبر لیجئے۔ اگر چند روز اس عالم میں ہم سے خدمت لینی منظور ہو تو حاضر ہیں۔ ورنہ وہاں جانا تو عین مقصود ہے غرضکہ اوس سختی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر استمداد کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس ندا کو عین ثواب سمجھتے تھے۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۷۴) میں لکھا ہے کہ جب اہل اسلام بہنسا کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ایک رات وہاں کے بادشاہ نے ایسے وقت شب خون مارا کہ اہل اسلام غفلت میں تھے کوئی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ کفار کی فوج کثیر نے خونریزی شروع کردی۔ صحابہ کا بیان ہے کہ وہ رات ایسی پرآشوب اور مصیبت کی تھی کہ کبھی ہم نے ویسی نہیں دیکھی۔ اوس حالت اضطرار میں سب کی زبان پر یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل جاری تھا۔ انتہی

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۸۱) میں ایک دوسرا واقعہ بھی

اسی قسم کا نقل کیا ہے کہ ایک رات بطلیموس دس ہزار سوار لے کر قلعہ سے باہر نکلا۔ اور نہایت سرعت سے اہل اسلام پر شب خون مارا جس سے لوگ تاریکی شب میں سخت پریشاں ہوئے اور ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ گڑبڑ سنتے ہی چیخ مار کر کہا کہ واغوثاہ وامحمداہ وااسلاماہ کیدل قومی ورب الکعبۃ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخدا میری قوم کے ساتھ مکر کیا گیا۔ فریادرسی کیجئے۔ تاکہ یہ صحیح سالم رہیں۔

ان وقائع سے ظاہر ہے کہ سخت مصیبت کے وقت صحابہ شافع ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے اور مدد مانگتے تھے۔

ناسخ التواریخ اور تاریخ واقدی میں واقعہ مرج القبائل میں لکھا ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے میسرہ ابن مسروق کو چار ہزار سپاہیوں کا امیر مقرر کر کے (درو ب) کی طرف روانہ کیا۔ ہرقل نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ادھر کا قصد کیا ہے۔ تیس ہزار کا لشکر مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ جب وہ قریب پہونچا تو میسرہ متفکر ہوئے۔

عبداللہ ابن حذافہ نے سبب دریافت کیا۔ کہا مجھے اپنی ذات کی کچھ فکر نہیں۔ خوف ہے تو یہ ہے کہ مسلمان کم ہیں۔ اور کفار زیادہ پس کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ کہا۔ اے امیر ہم لوگ کبھی موت سے ڈرتے نہیں

ہم نے تو اپنی جانیں خدا کی راہ میں وقف کر دی ہیں۔ اسی گفتگو میں تھے
کہ کفار کا لشکر مقابلہ میں آگیا۔ اور اونمیں سے ایک شخص نے آگے بڑھکر
کہا کہ اے اہل عرب تم جو ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں
موت یہاں گھیر لائی ہے۔ بہتر ہے کہ تم اپنے تئیں ہمارے حوالہ کر دو۔
تاکہ تمھیں قید کرکے ہرقل کے پاس بھیجدیں۔ ورنہ تم میں سے ایک کو بھی
زندہ نہ چھوڑیں گے یہ سنتے ہی ابوالہول دامس رضی اللہ عنہ نے اوس کو
قتل کر ڈالا۔ اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اسوقت دامس رضی اللہ عنہ کے
ہمراہی میں ایک ہزار اشخاص تھے۔ جو یا محمد یا محمد کہتے ہوے حملہ پر حملہ
کرتے جاتے تھے۔ انتہیٰ ملخصاً

دیکھئے ندا کے جواز میں اگر ذرا بھی شک ہوتا تو اوس زمانہ میں کوئی
تو اسکا انکار کرتا اب انکار کیونکر ہو سکے۔ صحابہ سے لیکر اسوقت تک کل مسلمان
موافق مخالف سب جانتے ہیں کہ ہر مسلمان کو ضرور ہے کہ اپنے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر روز پکارا کرے۔ دیکھئے نماز جو خاص عبادت ہے
جس کی شان میں معراج المومنین وارد ہے۔ اوسمیں حضرت کو پکارنیکی
ضرورت ہے۔ اگر کوئی نہ پکارے تو وہ عبادت ناقص ہو جائیگی۔ بلکہ دوبارہ
پڑھنے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ کوئی فقیہ یا محدث نہیں جو التحیات
فرض یا نفل نماز میں پڑھنے کو ضروری نہ سمجھتا ہو۔ دیکھئے اوسمیں جملہ ندائیہ یعنی

ایھا النبی موجود ہے۔ یہ ندا اس غرض سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مشاہدۂ جمال الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں۔ اس موقع میں کسکی مجال تھی کہ اپنی طرف توجہ دلا سکے۔ مگر کمال بندہ نوازی سے یہ اجازت ہوگئی۔ کہ جب چاہو ہمیں پکار لو تو ہم متوجہ ہو جائیں گے خصوصاً اوقت کہ بارگاہ الوہیت میں تمھیں حضوری نصیب ہو۔ متوجہ کرکے ضرور سلام عرض کیا کرو۔ یہ ہے سرّ التحیات میں سلام عرض کرنیکا۔

اب رہی یہ بات کہ حکیمانہ مذاق میں یہ گوارا نہیں کہ وقت واحد میں تمام مسلمانوں کے طرف حضرت کی توجہ ہوسکے سو یہ بحث دوسری ہے اس قسم کے خیالات سے حکیموں نے خدائے تعالیٰ کو بھی معطل الوجود قرار دیا۔ اور صاف کہدیا کہ خدائے تعالیٰ کو معاذ اللہ جزئیات کا علم ہی نہیں مگر اہل ایمان ان خیالات کو محض وساوس شیطانی سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ہر آن میں عالم کے ذرہ ذرہ کی طرف متوجہ اور حاضر ناظر ہے اور قادر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوت عطا فرمائے کہ جب کوئی امتی آپ کو پکارے آپ اوسکی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور سب کے طرف آن واحد میں متوجہ ہوسکیں۔ اگر یہ محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خدائے تعالیٰ کبھی نہ کہلواتا کہ نماز میں کل مسلمان السلام علیک ایھا النبی کہا کریں۔ کیونکہ حقتعالیٰ جانتا تھا

کہ حضرت کی امت کے کروڑہا آدمی شرقاً و غرباً ہر زمانے میں السلام علیک ایھا النبی کہکر توجہ ولایا کرینگے۔

یہ بحث ہمنے انوار احمدی میں کسی قدر تفصیل سے لکھی ہے اُس مقام میں وہ بحث اور صلوٰۃ الحاجۃ جسمیں یا محمد انی اتوجہ بك الی ربك اور دوسرے مباحث جو نداسے متعلق ہیں مذکور ہیں۔ اگر انوار احمدی دیکھ لیئے جائیں تو فائدہ سے خالی نہیں التحیات میں جو ندا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا جاتا ہے اوس سے غرض معلوم ہوتی ہے کہ گویا ہم یہ عرض کررہے ہیں کہ حسب الارشاد ہم بارگاہ الوہیت میں حاضر ہوگئے ہیں۔ مگر نہ ہم میں صلاحیت حضوری ہے نہ ہماری عبادت شایان بارگاہِ کبریائی ہے۔ آپ کی مدد درکار ہے۔ کہ یہ عبادت اور عرض ومعروض درجۂ اجابت تک پہونچ جائے۔ اسی طرح صحابہ اور تابعین مصیبت کے وقت آپ کو پکارکر مدد مانگتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کو اوس عالم میں تصرف دیاگیا ہے۔ جیساکہ خوابوں اور قرائن سے ثابت ہے۔

فتوح الشام اور ناسخ التواریخ کی جلد دوم واقعۂ جنگ اجنادین میں لکھا ہے کہ جب وردان سپاہ سالار روم نے اپنا لشکر جسکی (۹۰) صفیں تھیں اور ہر صف ہزار سوار کی آراستہ کرکے مسلمانوں کے مقابل ہوا تو

ضرار ابن الازور رضی اللہ عنہ نے زرہ وغیرہ پہن کر اوس لشکر پر حملہ کیا۔
اور ادھر سے اُن پر تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چونکہ زرہ سخت تھی۔
زخم نہ لگا۔ اور اس حملہ میں اونہوں نے تیس سواروں کو قتل کیا۔ اوس کے
بعد اونہوں نے خود اور زرہ وغیرہ پھینک کر یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے
کہ میں ضرار ابن الازور وردان کے بیٹے حمران کا قاتل اور تم لوگوں پر
بلائے بے درماں کی طرح مسلط ہوں۔ اوسوقت لشکر روم کسی قدر
پیچھے ہٹا۔ مگر وہ حملہ کرکے لشکر میں گھس گئے۔ وردان نے ٹھنڈی سانس
کھینچکر کہا کہ یہ شخص میرے لڑکے کا قاتل ہے۔ اگر کوئی اسکو قتل کرے تو
جو کچھ چاہے گا میں اوسے دونگا۔ ایک بطریق نے میدان میں آکر کہا
میں اوسے قتل کرتا ہوں۔ چنانچہ ایک ساعت تک دونوں میں معرکہ آرائی
ہوتی رہی۔ آخر ضرار رضی اللہ عنہ نے موقع پاکر اوس کے جگر میں نیزہ
مارا جس سے وہ گر گیا۔ وردان نے کہا کیا اور کوئی اسکا مقابلہ کرسکتا ہے
لوگوں نے کہا یہ شخص جن ہے۔ اسکا مقابلہ مشکل ہے۔ وردان نے کہا
خیر میں خود اپنے لڑکے کا بدلہ اس سے لے لیتا ہوں۔ چنانچہ سامان جنگ
سے آراستہ ہوا۔ اور مقابلہ کو نکلنا چاہا تھا کہ اصطفان نام ایک سردار
نے روبرو آکر کہا کہ اگر حمران کی بہن کا نکاح میرے ساتھ کردیتے ہو تو
میں اوس کو قتل کر ڈالتا ہوں۔ اوس نے قبول کیا وہ مقابلہ کو نکلا۔

اور بہت دیر تک دونوں کا مقابلہ اس طور سے ہوتا رہا کہ دونوں لشکر کے
لوگ تعجب کرتے تھے۔ آخر خالد رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا۔ اے ضرار
یہ سستی کیسی جنبش کرو اور جوانمردی دکھلاؤ۔ یہ سنتے ہی اونہوں نے
غضبناک ہو کر سخت حملہ کیا۔ اصطفان نے ضرار رضی اللہ عنہ سے کہا
کہ گھوڑے تھک گئے ہیں۔ مناسب ہے کہ اب پیادہ ہو کر لڑیں انہوں
نے قبول کیا۔ چنانچہ اصطفان پیادہ ہو گیا۔ اس کا غلام جب اوس کو
پیادہ دیکھا تو اوس کے لئے ایک گھوڑا لیکر لشکر سے نکلا۔ اوسوقت
ضرار رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے سے کہا اے بطال تھوڑی سی
اپنی تیزی اور چالاکی دکھلا۔ ورنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
تیری شکایت کرونگا۔ یہ سنتے ہی گھوڑا ہنہنایا۔ اور نہایت چست چالاک
ہو گیا۔ چنانچہ ضرار رضی اللہ عنہ نے اوس غلام کی طرف اوسے دوڑایا
جو گھوڑا لا رہا تھا وہ نہایت پھرتی سے دوڑا۔ اونہوں نے اوس کو
قتل کر اوس کے گھوڑے پر سوار ہو جنگ میں مشغول ہو گئے۔ اور اوس
بطریق کو بھی قتل کر ڈالا۔ انتہیٰ

یہاں قابل توجہ یہ بات ہے کہ بطریق کے گھوڑے نے اتنی دیر
کام نہیں کیا تھا جتنی دیر ضرار رضی اللہ عنہ کے گھوڑے نے کیا۔
کیونکہ وہ صبح سے اوسی گھوڑے پر لڑ رہے تھے باوجود اس کے اوسکا

گھوڑا تھک گیا۔ اور اوس کو گھوڑا بدلنے کی ضرورت ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ضرار رضی اللہ عنہ کا گھوڑا کس قدر تھکا ہو گا۔ مگر جب اونہوں نے اوسکو دھمکی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں تیری شکایت کرونگا تو وہ مستعد ہوگیا اور کارنمایاں کر دکھایا۔ گھوڑے کو شکایت کی دھمکی دینی ظاہراً ایک دل لگی کی بات معلوم ہوتی ہے مگر جب ہم اوس حالت اور مقام پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دل لگی کا اوس مقام میں خیال تک نہیں آسکتا۔ وہ مقام تو ایسا تھا کہ موت آنکھوں میں پھر گئی تھی۔ کمال اضطرار و اضطراب کی حالت تھی۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ تو تن آسانی کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری شکایت کرونگا۔ بعینہ ایسا تھا جیسے بادشاہ کسی کی تعیناتی میں فوج دے۔ اور وہ خطرناک حالت میں رفاقت ترک کرنا چاہے تو اوس کو بادشاہ کے پاس شکایت کرنیکی دھمکی دیجاتی ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ اگر ہم نہ لڑینگے تو بادشاہ ایسی سزا دیگا جس سے مرجانا اچھا ہے چنانچہ اس دھمکی سے وہ جان دینے پر مستعد ہوجاتے ہیں۔

اس دھمکی سے گھوڑے کے دل پر جو اثر پڑا معلوم نہیں کہ وہ کس قسم کی سزا ہوگی جس سے وہ گھبرا گیا۔ مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ

ضرار رضی اللہ عنہ نے کچھ سمجھ کر وہ جملہ کہا تھا جس کو گھوڑا بھی سمجھ گیا۔ اور مقصود حاصل ہوگیا۔ اب اگر ہم نہ سمجھیں تو ہماری عقل کا قصور ہے۔ الغرض اس واقعہ سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات اوس عالم میں ایسے جاری ہیں جن کو جانور بھی سمجھتے ہیں اسوجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہ سختی اور مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے تھے۔ جیسا کہ ابھی متعدد واقعات سے معلوم ہوا اگر ان حضرات کے نزدیک یہ ثابت ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ ہماری آواز پہونچتی ہے نہ آپ مدد کرسکتے ہیں تو پکارنے کو فضول بلکہ گناہ سمجھتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت مدد کرنا اور امت کے حالات پر ہر وقت مطلع ہونا اون کے ذاتی مشاہدات سے ثابت ہوگیا تھا۔

واقدی رضی اللہ عنہ نے فتوح الشام کے واقعہ فتح قنسرین میں لکھا ہے

کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دس صحابہ کے ساتھ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے دور ہوگئے۔ رات کا وقت تھا کہیں ٹھر گئے تھے۔ صبح کی نماز پڑھکر جانا چاہا تھا۔ کہ جبلہ ابن ایہم نصرانی کا لشکر کثیر آگیا۔ آپ بھی اوس لشکر کے ہمراہ ہوگئے۔ جب قنسرین کے قریب پہونچے تو وہاں کا بطریق فوج لیکر جبلہ کے استقبال کو آیا۔ پہلے پہل خالد رضی اللہ عنہ سے

ملاقات ہوئی اون کو اپنا ہم مشرب سمجھ کر کہا کہ مسیح تم کو سلامت اور صلیب تمھیں باقی رکھے۔ یہاں یہ سننے کی تاب کہاں۔ فوراً کہا کہ اے کمبخت ہم صلیب کے پوجنے والے نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اور کلمۂ طیب پڑھکر کہا اے خدا کے دشمن میں خالد بن ولید ہوں یہ کہکر اوس کو گرفتار کر لیا۔ لشکر کفار نے ساتھ ہی اون کو اور آپکے ہمراہیوں کو گھیر لیا ہر چند ان حضرات نے کشتوں سے اوس سرزمین کو بھر دیا۔ مگر ہزاروں کے مقابلہ میں دس گیارہ شخصوں کی ہستی ہی کیا۔ اول تو لڑتے لڑتے وہ تھک گئے تھے اوس پر تشنگی کا غلبہ سب کو یقین ہو گیا کہ اب خاتمہ بالخیر ہونے کو ہے۔ اسی نفس شماری میں تھے کہ ہاتف نے آواز دی کہ اے حاملین قرآن خوش ہو جاؤ مدد اور نصرت آپہونچی۔ چنانچہ اوسی وقت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ مع لشکر پہونچ گئے۔ اور مسلمانوں کی فتح ہو گئی۔ دیکھئے وہاں تار تھا نہ ڈاک۔ نہ اتنی مہلت ملی کہ ہمراہیوں میں سے کسی کو بھیجکر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو خبر دیں۔ مگر وہاں تو انتظام ہی دوسرا تھا۔ کل واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو رہے تھے۔ جس طرح حضرت اس عالم میں حکم و احکام اپنی ذات سے فرماتے تھے اوس عالم میں تشریف لیجانیکے بعد بھی وہی طریقہ جاری رکھا۔ گو عموماً لوگوں کو اوس کی اطلاع نہ تھی۔ مگر بعضے مواقع میں اطلاع

بھی فرما دیتے تھے۔ چنانچہ اوسی میں لکھا ہے کہ جس صبح میں یہ واقعہ
پیش آیا اوسی رات ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے خواب میں نہایت سختی سے فرمایا کہ اے ابن جراح ایک بزرگ قوم
دشمنوں کے ہاتھ میں پھنسی ہے۔ اور تم سوتے پڑے ہو۔ اوٹھو اور
جلدی سے جاؤ انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر پہونچ جاؤ گے۔ چنانچہ وہ فوراً
اوٹھے اور نہایت اضطراب سے کہا النفیر النفیر یعنے دوڑو دوڑو
لوگوں نے کہا حضرت خیر تو ہے کہا کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجھے خبر دی ہے کہ موحدین کی جماعت کو کفار نے گھیر لیا۔ چنانچہ اوسی وقت
وہ فوج لیکر روانہ ہوئے۔ اور اشد ضرورت کے وقت وہاں پہونچ گئے۔
اب کہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت تھی یا نہیں۔ اگر
کہا جائے کہ مدد الٰہی تھی تو اسمیں کس کو کلام ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے
الیہ یرجع الامر کلہ مگر اس لحاظ سے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ
نے بھی مدد نہیں کی۔ حالانکہ اونہوں نے بموجب آیۂ شریفہ تعاونوا علی البر
والتقویٰ اونکی مدد کرکے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ سچ پوچھئے تو اونہوں نے
کیا ہی کیا مدد تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔
قولہ تعالیٰ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم اگر یہ سب وسائط ساقط
ہو جائیں اور ہمہ اوست کا مضمون پیش نظر ہو تو وہ بات دوسری ہے

مگر اوس وقت بھی محققین وسائط و اسباب کو پیش نظر رکھے ہیں۔ غرض کہ ایاک نستعین کے لحاظ سے انبیا اور اولیا کی مدد جائز نہ ہو تو بادشاہ کی مدد بھی جائز نہ ہوگی اور اگر بادشاہ کی مدد جائز ہے تو انبیا اور اولیا کی مدد بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ مرج القبائل میں لکھا ہے کہ بیس ہزار لشکر روم کے مقابلہ میں ابو الہول رحمۃ اللہ علیہ اور اون کے ہمراہیوں نے جو ایک ہزار تھے وہ جوانمردی دکھائی کہ اہل روم کے حوصلے پست ہوگئے اوس وقت دس ہزار کی فوج نے اونھیں گھیر لیا۔ مگر اون کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ چنانچہ نو ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ جب دونوں لشکر جدا ہوئے تو ابو الہول رحمۃ اللہ علیہ نظر نہ آئے انکی تلاش کی فکر ہو رہی تھی کہ پھر اعدا نے حملہ کیا۔ اور ایک ایک شخص کو دس دس بیس بیس بلکہ پچاس پچاس شخصوں نے گھیر کر شہید کر ڈالا۔ یا گرفتار کر کے لیگئے۔

غرض کہ ابو الہول رحمۃ اللہ علیہ کا حال دریافت کرنے کی نوبت نہ آئی۔ راوی کا قول ہے کہ معرکہ کارزار گرم تھا کہ لشکر کفار میں شور مچا۔ اور معلوم ہوا کہ اون کے پیچھے سے لوگ لڑتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز بلند ہے۔ ہم نے خیال کیا کہ شاید فرشتوں کی آواز ہوگی۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ابو الہول رحمۃ اللہ علیہ

اور اون کے ساتھ والوں کی آواز ہے۔ چنانچہ وہ لشکر کفار کو پھاڑتے اور جو سامنے آتا اوسکو تہ تیغ کرتے ہوئے لشکر اسلام میں پہنچ گئے۔ جب لڑائی موقوف ہوئی میسرہ رحمۃ اللہ علیہ امیر لشکر نے حال دریافت کیا۔ کہا کہ کفار نے مجھ پر حملہ کرکے میرے گھوڑے کو قتل کر ڈالا جس سے میں گر پڑا۔ اور اونھوں نے قابو پاکر مجھے اور میرے چند ساتھ والوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا۔ جب رات ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اے (واثلس) مت ڈرو۔ خدا کے پاس میرا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ یہ کہکر میرے اور میرے رفقا کے زنجیروں پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ فوراً گر گئیں۔ پھر نصرت و فتح کی بشارت دیکر فرمایا میں تمھارا نبی محمد رسول اللہ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور فرمایا کہ میسرہ کو ہمارا اسلام پہونچا کر کہنا کہ خدا تمھیں جزائے خیر دے۔ یہ کہکر غائب ہوگئے جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ زنجیریں گری ہوئی ہیں اور پہرے والے تھک کر خواب غفلت میں بے خود پڑے ہیں۔ ہم نے اونکی تلواریں وغیرہ لے اونکو قتل کر ڈالا۔ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی جو ہمیں وہاں سے نجات ملی۔ انتہی

ابوالہول رحمۃ اللہ علیہ جب گرفتار ہوکر زنجیروں میں جکڑے ہوئے قید میں ہونگے وہ رات اون پر کس مصیبت کی ہوگی۔ پھر جب ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس تشریف فرما

ہوکر اون کو قید سے ایسے طور پر رہائی دی کہ کسی فرد بشر کو علم ہی نہیں۔
بلکہ ہر کس و ناکس کو اوس کا سمجھنا مشکل ہے تو کہئے کہ اونکا دل اس احسان سے
اور اپنے مربی محسن پر کس درجہ فدا ہوتا ہوگا اگر اون سے کہا جاتا کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم وفات پا گئے اب اونکو امت سے تعلق ہی کیا۔ اور یہ اعتقاد رکھنا
شرک ہے کہ حضرت کو دور کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں تو کیا اپنے
ذاتی مشاہدہ اور اوس کے آثار ظاہر ہونیکے بعد ویسی باتوں کی طرف اونکی
توجہ ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ غرضکہ اس روایت سے ثابت ہے کہ جو لوگ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے خدمت گزار ہیں اونپر آپکی
خاص قسم کی توجہ مبذول رہتی ہے اور بفضلہ تعالیٰ اونکی مشکل کشائیاں
آپ برابر فرماتے رہتے ہیں۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۴۶) میں فتح دمشق کے حالات میں
تفصیلی واقعات لکھے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ اہل اسلام نے اس جنگ میں
بہت سی سختیاں اوٹھائیں جب مسلمانوں کا پورا امتحان ہوگیا اور وہ اس
امتحان میں کامیاب ثابت ہوے اوسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے خواب میں تشریف لاکر فرمایا کہ آج رات کو انشاء اللہ تعالیٰ
فتح ہو جائیگی۔ یہ کہکر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانیکا قصد فرمایا ابو عبیدہ
رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ بہت جلد تشریف لیجاتے ہیں

فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر مجھے جانا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اوسی شب فتح ہوئی اور دریافت سے ثابت ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال اوسی شب میں ہوا تھا۔ انتہیٰ ملخصاً

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اِس عالم اور اوس عالم کے واقعات اور حالات برابر پیش نظر ہیں اور قرب وبُعد یکساں ہے۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۴۲) فتوح الشام کے واقعۂ یرموک میں لکھا ہے کہ جب اوس مقام کی فتح میں تاخیر ہوئی اور وحشت ناک خبریں عمر رضی اللہ عنہ کو پہونچیں تو وہ نہایت متفکر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کسی باغ میں تشریف رکھتے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے سلام عرض کرکے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا دل مسلمانوں میں لگا ہوا ہے خدا جانے اونکی کیا حالت ہوگی مجھے خبر پہونچی ہے کہ دس لاکھ ساٹھ ہزار رومی مسلمانوں کے مقابلے کو آگئے ہیں۔ فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! خوش ہوجاؤ کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور اون کے دشمن کو شکست ہوئی۔ اور کفار کثرت سے مارے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز پڑھتے ہی صحابہ کو یہ خوشخبری سنائی سب نہایت خوش ہوئے اور اس خواب کی تاریخ لکھ رکھے چند ہی روز میں فتح کی

خبر آئی اور معلوم ہوا کہ اوسی رات فتح ہوئی جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی۔ انتہیٰ

صحابہ رضی اللہ عنہ جب ایسے واقعات بذات خود دیکھتے اور معتمد علیہ لوگوں کی زبانی سنتے ہونگے اور اوس کی تصدیق وقتاً فوقتاً ہوتی ہوگی تو کیا ان تجربوں کے بعد بھی حضرت کے علم غیب ذاتی میں اون کو شک رہتا ہوگا؟ ان ہی اسباب سے وہ ہمیشہ کہا کرتے واللہ و رسولہ اعلم۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۹۳) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کو شام میں فتح پر فتح ہونے لگی تو ہرقل نے مدد کے لئے فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور ہر طرف سے صوبیدار اور سلاطین آنے لگے۔ قلنطانوس بادشاہ رومیہ نے بھی ارادہ کیا اور چاہا کہ سلاطین سابقہ نے جو خزانہ جمع کیا ہے اوس کو اس کام میں لائے۔ اس غرض سے اوس مقفل مکان کو کھولنے کا ارادہ کیا جو طلسم سے بنایا گیا تھا وہاں کے محافظین نے کہا کہ اے بادشاہ اس گھر کو بنکر سات سو برس ہوے کسی بادشاہ نے اوسے نہیں کھولا بلکہ ہر ایک نے وصیت کی کہ کوئی نہ کھولے۔ قلنطانوس نے نہ مان کر اوسے کھولا۔ دیکھا کہ ایک تختی پر بہت سی نصیحتیں لکھی ہیں اور اوس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب زمین پر گمراہی پھیل جائیگی تو زمین تہامہ میں ایک چراغ ہدایت روشن نکلے گا۔ جس سے جہل کی تاریکی دور ہو جائیگی

اونکی سواری اونٹ ہوگی وہ توحید کی طرف بلائیں گے اونکا دین سب
دینوں پر غالب ہوجائے گا پھر جب وہ عالم روحانی کو جائیں گے تو
ایک ضعیف شخص والی ملک ہونگے جن کا دل منور بنور صدق ہوگا۔
اون کے بعد ایک شخص جن کا حملہ سخت ہوگا۔ عدل اونکی صفت اور
حق اونکی منقبت جبہ اونکا پیوند لگا ہوا ہوگا۔ دُرہ اونکا تلوار کا کام
دیگا۔ اون کے زمانہ میں بہت سی دولتیں جاتی رہیں گی۔ اوس کے
ظہور کا وقت وہ ہوگا۔ یہ مکان جو حکمت سے بنایا گیا ہے کھولا جائیگا
اوس شخص کی خوشخبری ہے جس کے دل میں حکمت مستحکم ہو۔ اور عقل میں
حکمت کے چراغ روشن ہوں اور حق کو سمجھ کر پیروی کرے۔ اور باطل سے
دور رہے۔ جب قلنطاقوس نے وہ پڑھ لیا تو عطاؤس سے جو اوس مکان
کا متولی تھا۔ پوچھا کہ اے پدر مہربان اس حکمت کے بارہ میں آپ کیا کہتے ہو
کہا اے بادشاہ کیا کہوں جسکو بڑے بڑے لوگوں نے بنایا ہے اور حکما نے اوسکو معلوم کر لیا ہے
مگر اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ ہرقل کی دولت معرض زوال میں ہے اور اوسکا
ملک سوریا سے قسطنطنیہ کی جانب منتقل ہو گیا۔ اور یہی خبر جو ہہرامیس حکیم
نے دی ہے کہ جب مصطفا کا نور فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوگا تو
ظلمت جہالت دور ہوجائے گی عدل اون کا خیمہ ہوگا لباس اونکا
پیوند لگا ہوا اون کے زمانہ میں نجات وہی پائیگا جو اونکی شریعت کی

اتباع کریگا۔ اس تقریر سے قلنطانوس کے دل میں اثر ہوا مگر بظاہر لکھا کہ عرب کے بارہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے اسوقت مجھے ہرقل کی مدد کو جانا ضرور ہے کیونکہ ترک کا نامہ میرے نام آیا کہ دین مسیح کی مدد کروں۔ اگر میں دیر کرونگا تو محروم ہو جاؤنگا۔ چنانچہ وہ تیس ہزار کرجی سپاہیوں کو منتخب کرکے روانہ ہوگیا۔ جب انطاکیہ میں پہونچا تو ہرقل نے نہایت تزک اور شان و شوکت سے استقبال کرکے اپنے سراپردوں کے مقابل اوس کے سراپردے نصب کرائے اور لشکر روم میں بڑی خوشی ہوئی۔ اور فتح و نصرت پر تفاول لیا گیا اور لشکر میں خوشی کے نعرے بلند ہوئے لشکر اسلام کے جاسوسوں نے جب یہ خبر ابو عبیدہ کو پہونچائی کہ بادشاہ رومیہ آگیا اور لشکر کفار میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دعا کے لئے آسمان کی طرف ہاتھ اوٹھائے اور بارگاہ کبریائی میں عرض کی الٰہی دشمنان اسلام ہمارے مقابلہ کے لئے فوجیں کثرت سے جمع کر رہے ہیں اور ان کو کمکی فوجیں پہونچ رہی ہیں۔ تو اس بات پر قادر ہے کہ ان کو پریشان کردے اور ان کے قدم اوکھاڑ دے۔ الٰہی جس طرح تونے احزاب کی لڑائی میں اپنے نبی کی مدد فرمائی تھی اب بھی مدد فرما اور ہمیں نصرت دے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ یہ دعا کر رہے تھے اور تمام اہل اسلام آمین کہہ رہے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کو ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی قسم کی توقع نہ تھی

اگرچہ وسا تھا تو صرف خدائے تعالیٰ کی ذات پر۔ اسوجہ سے یہ دعا مضطرانہ حالت میں نہایت خشوع و خضوع سے کی گئی۔ اس کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے معاذ بن جبل کی ہمراہی میں تین ہزار کا لشکر دیکر سواحل کے طرف روانہ کیا اتفاقاً ایک قافلہ ملا۔ جسمیں ایکہزار جانوروں پر غلہ لدا ہوا ہرقل کی فوج کیلئے لیجا رہے تھے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے اوس پر قبضہ کرلیا۔ اور صحیح و سالم اوسکو لیکر لشکر اسلام پہونچ گئے۔ یہ دعا کا پہلا اثر تھا۔ کہ وہ غلہ جو طرابلس عکا صور صیدا۔ قیساریہ اور قسطنطنیہ سے فراہم کرکے لارہے تھے کسطرح مسلمانوں کو مل گیا۔ اور کس حالت میں کہ مسلمانوں کو اوسکی سخت حاجت تھی اور کس موقع میں جہاں مسلمانوں کو پانی ملنا مشکل تھا۔ یہ ہیں خدائے تعالیٰ کے کارسازیاں کہ دشمنوں کے ہاتھ سے اپنے دوستوں کی خدمت لی۔ کس شوق و محبت سے اپنے بادشاہ کے پاس رسوخ حاصل کرنیکے لئے اونہوں نے وہ غلہ فراہم کیا ہوگا۔ اور کس آسانی سے اونسے چھین کر مسلمانوں کو دیدیا گیا الغرض ہرقل نے بہت ہی غضبناک ہوکر جنگ کا حکم دیدیا۔ اور صف آرائی ہوئی۔ فلنطانوس اور دوسرے رئیس دیر قلعہ دار ہرقل کے قریب ایک ممتاز مقام میں ٹھیرے۔ اور یوقنا نے صفوں کی ترتیب دینی شروع کی فلنطانوس نے ہرقل کی زمین پر ہاتھ مار کر کہا اے بادشاہ میں دو سو فرسخ سے اپنا ملک چھوڑکر اس غرض سے آیا ہوں کہ آپکے روبرو مسیح کی خدمت کروں تم آپکے

لشکر نے اسوقت تک بہت جانفشانیاں کیں اب میں چاہتا ہوں اونکو
شکست دیکر آپکا اور اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ ہرقل نے اوسکا دل خوش
کرنیکے لئے کہا کہ آپ کی سلطنت میری سلطنت سے قدیم ہے۔ عرب اس
درجہ کے لوگ نہیں ہیں کہ ان کے مقابلہ کے لئے اپنی ذات سے جائیں
اگر ایسا ہو تو بادشاہوں کی حشمت وعزت میں فرق آجائیگا۔ قلنطانوس
نے کہا کہ اے بادشاہ اب کونسی عزت وحشمت ہماری باقی رہگئی عرب نے
ہماری عزت کو خاک میں ملادیا۔ اور ہماری دین کی عزت کو برباد کردیا
جہاد ہر چھوٹے بڑے پر فرض ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص دنیا کو
محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اُسکو خواہشیں اپنی طرف کھینچتی ہیں اور تعلق
مزخرفات کے ساتھ بڑھتا ہے جس سے جہل کی کثافت اوسکے سینہ میں
جمتی ہے اور آخرت کی طلب سے اوس کو روک دیتی ہے۔ اور جو اپنی
خواہشوں کو چھوڑ کر اپنے خالق کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے اوس کو
دار قدس کی طرف ترقی ہوتی ہے۔

میں نے دیکھا کہ تم لوگوں پر غفلت کا پردہ پڑگیا اور ایسی چیزوں کے
طرف مائل ہوئے جو فنا پذیر ہیں تو ایسی امت کو مسلط کیا جو سب سے زیادہ
ضعیف تھی۔ اور تم کو تمہارے ملک سے نکالدیا۔ اور وطن سے دور ڈالدیا
اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تم اس خواہشوں کو پورا کرنے پر اڑے ہوئے ہو

اور حکم کرتے ہیں امر حق کا لحاظ نہیں رکھتے۔ اور رعیت سے ایسے حقوق اور ٹکسیں لگاتے ہو جو تمھارا حق نہیں۔ اور ظلم سے مال لیتے ہو اور زنا کا رواج دے رکھا ہے۔ اسی وجہ سے تمھاری مدد نہیں ہوتی اور مصیبت پر مصیبت تم پر آ رہی ہے۔

جب فلنطانوس کا کلام کسی قدر سخت ہوا تو حاجب ہرقل نے بآواز بلند سختی سے کہا کہ اے سردار ایسے موقع میں بادشاہ پر اس قسم کا حملہ کرنا چاہیئے تم سے بڑے بڑے لوگوں نے اونھیں نصیحت کی مگر اونھوں نے اوسکی کچھ پروا نہ کی۔ فلنطانوس اوس کی سخت کلامی سے برہم ہوا۔ اور ظاہر آ تو کچھ نہ کہا۔ مگر دل میں مخالفت پیدا ہوگئی۔ جب رات ہوئی تو اپنے خاص خاص عہدہ دار اور مصاحبین کو بلا کر کہا کہ کیا تم لوگ اس بات پر راضی ہو کہ ہرقل کا دربان مجھ سے سخت کلامی کرے اور دوسرے ہم چشم بادشاہوں کے سامنے مجھکو جھڑکی دے۔ تم جانتے ہو میرا گھر ہرقل کے گھر سے بڑا ہے۔ اور اوس کا نسب میرے نسب سے کم ہے۔ اور میری سلطنت اوسکی سلطنت سے قدیم ہے۔ حکما کا قول ہے کہ نفس کی عزت بادشاہوں کے جاہ کے مقابل ہے اوس کو ذلیل نہ کرنا چاہیئے اور اونکا قول ہے۔ ان کو نصیحت مت کرو۔ کیونکہ تم اوس کا نفع چاہوگے۔ اور وہ تم کو ایذا دیکر اپنی خواہش پوری کرنا چاہے گا۔ تم جانتے کہ ہم دو سو فرسنج سے یہاں آئے وہ خیال کرتا ہے کہ ہم اوسکی

دولت وافری کی وجہ سے آئے ہیں۔ اور ہم اوس کے زمرۂ خدام میں شریک ہیں میرا نفس ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ اس جاہل کی اطاعت کروں۔ میں نے قصد کرلیا ہے کہ ان عربوں کے طرف جاؤں اور اون کا مذہب دریافت کروں اوس مذہب کا حق ہونا ظاہر ہے۔ صدق اوسکی تائید دیتا ہے۔ جو شخص اوس دین پر ہوگا وہ قیامت میں ہول اکبر سے بیفکر رہے گا۔ اس بات میں تم کیا کہتے ہو اونہوں نے کہا اے بادشاہ آپ کو اپنا دین اور ملک عزت چھوڑ کر ایسے لوگوں کے تابع ہونا جنکو نہ کوئی فضیلت ہے اور نہ اون کے پاس حکمت ہے۔ کیونکر گوارا ہوتا ہے۔ فلنطانوس نے کہا کہ حکمت بالغہ کا وطن تو اونہیں کے نفوس میں ہے۔ کیونکہ نور توحید نے اون کے ذہنوں کو مصفا کردیا۔ اور مقناطیس ربانیہ نے اون کے جوہر عقول کو اپنے نبی کی شریعت کی پیروی کے جانب کھینچ لیا جو شخص چاہے کہ عالم علیین سے ملے تو اوس کو یہ نہ چاہیئے کہ زمین جہل پر ٹھیرے اوںھوں نے کہا اے بادشاہ ہم آپ کو دایمی عزت سے روکنا نہیں چاہتے۔ اگر آپ ہمکو بھی حق کی راہ لیجانا چاہتے ہو تو ہم آپ کے ہیں۔ اور آپ کے آگے رہیں گے۔ فلنطانوس نے کہا کہ اب اپنے خیالات کو بھٹکنے نہ دو۔ کل کی رات ہم اس حیلہ سے سوا ہونگے کہ ہرقل کے گھر کے اطراف حفاظت کے لئے چکر لگا رہے ہیں۔ اور لشکر عرب میں چلے جائیں گے۔ جب دوسری رات فلنطانوس تیار ہوکر

سوار ہونے کا ارادہ کیا تو ہرقل نے یوقنا کی زبانی کچھ کہلایا۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے جب پیام پہونچا کر اوٹھنا چاہا فلنطانوس نے پوچھا کہ تم کون ہو کہا میں حاکم حلب ہوں۔ کہا اپنا شہر تم نے کیوں چھوڑا۔ کہا عرب ملک پر غالب ہوگئے اور سارے واقعات بیان کئے۔ فلنطانوس نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ عربوں کے صفات جو تم پر ظاہر ہوئے ہیں وہ کس قسم کی ہیں۔ کہا اے بادشاہ میں اون کے دین میں داخل ہوا۔ اور اون کے معاملات پر مطلع ہوا۔ اور اسرار سے واقف ہوا۔ دیکھا کہ وہ ایسی قوم ہے کہ باطل بات کو سنتی نہیں اور حق بات سے ٹلتی نہیں۔ عبادت الہی میں اونکی یہ کیفیت ہے کہ رات کو سوتے نہیں۔ جب بات کرتے ہیں تو اوسمیں خدا تعالی ہی کا ذکر رہتا ہے ظالم سے مظلوم کا حق دلاتے ہیں۔ اونمیں جو غنی ہیں فقیروں کی امداد کرتے ہیں۔ اون کے امیر فقیروں کے لباس میں ہیں۔ عزت والا اور ذلیل و نیچ پاس ایکساں ہے۔ فلنطانوس نے کہا کہ جب تم نے اونکے ایسے حالات دیکھے تو کون چیز مانع تھی کہ اون کے دین پر قایم ہوجاتے اور انہیں میں رہتے کہا اپنے دین کی سچائی اور اپنی قوم کی رفاقت۔ فلنطانوس نے کہا جو نفوس پاکیزہ ہوتے ہیں جب حق بات دیکھتے ہیں تو جاذبۂ یقین اون کو اخلاص کی طرف کھینچتا ہے اور وہ اعلی علیین کی طرف ترقی کر جاتے ہیں۔ اس تقریر کے بعد یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسکی باتیں تو گواہی دیتی ہیں

کہ دین اسلام کی حقانیت اوس کے ذہن نشین ہوگئی اور دن بھر اسی فکر میں رہے۔ جب رات ہوئی تو فلنطانوس کے پاس آئے اوسوقت وہ سوار ہونا چاہتا تھا۔ فلنطانوس نے اون سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے تمکو کس حجاب میں ڈال رکھا ہے جو متقین کی راہ کا اتباع نہیں کرتے۔ جو شخص طالب حق ہو اوس کے لئے حق واضح ہے۔ اور جو باطل کا اتباع کرتا ہے وہ اوس سے چھپا ہوا ہے۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اے بادشاہ یہ جو اشارہ آپ کر رہے ہیں اسکے کیا معنی ہیں۔ کہا اگر ہم بصیرت سے دیکھتے تو عرب کی ملت سے کبھی نہ ٹلتے۔ اور نہ اون کے بدلہ میں دوسروں کو اختیار کرتے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایسے نعمتیں طلب کرتے ہو جو زائل ہونے والے ہیں۔ اور جس کا انجام عذاب ہے۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر خاموش ہوگئے۔ اور وہاں سے نکل کر اس تلاش میں ہوئے کہ اصلی حالت کیا ہے۔ اور اس راستہ میں جہاں مسلمانوں کا لشکر جا نیکو تھا ٹھر گئے۔ جب فلنطانوس سوار ہوا اور سرا پردہ سے باہر نکلا۔ دیکھا کہ اپنے بنی اعمام مسلح ہوکر چار ہزار سوار اون کے ساتھ تیار کھڑے ہیں۔ یہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور لشکر اسلام کے قریب ہوئے تھے کہ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ پیش ہوکر کہا کہ اے بادشاہ کیا لشکر اسلام پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ کہا خدا کی قسم یہ ہرگز میرا خیال نہیں بلکہ میں اون کے دین میں داخل ہونیکے لئے جا رہا ہوں۔ اب کہو کہ تمھیں اس دین میں داخل

ہونے سے کون چیز مانع ہے۔ اسوقت یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے بادشاہ
مجھے بعض حوادث نے اپنے طرف کھینچ لیا ہے۔ اور کل واقعات بیان کرکے
کہا کہ میں روم سے غدر کرنا چاہتا ہوں۔ فلنطانوس بہت خوش ہوا۔
اگر تم سے یہ کیونکر ہوسکے گا۔ کیونکہ تمھارے ساتھ لوگ تھوڑے ہیں۔ کہا اے
بادشاہ میرے گھر میں اسوقت دوسو اکابر صحابہ موجود ہیں۔ جو بیس ہزار
فوج روم کے برابر ہیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اسوقت لوٹ جائیں
میں امیر مسلمین کو اس واقعہ کی خبر دیدیتا ہوں۔ کل جب صف آرائی ہوگی تو
آپ اپنے لشکر کے ساتھ ہرقل کے قریب اور اوس کو گھیرے ہوئے رہو
اور میں شہر میں جاکر دوسو صحابہ جو قید ہیں اون کو رہا کرکے ہتیار دیتا ہوں
لشکر اسلام جب حملہ کرے تو آپ مع لشکر ہرقل پر حملہ کرکے اوس کو گرفتار کرلیجئے
اور میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوکر انشاء اللہ تعالیٰ فتح کرلیتا
ہوں۔ اور اگر آپ ظاہر ہونا نہیں چاہتے تو کسی اعتمادی کے تحت میں لشکر
دیکر تشریف لیجائیے۔ فلنطانوس نے کہا کہ یہ کام جب میں نے اختیار کیا تو
میرا خیال نہ اپنے ملک سے طرف جانا دنیا کے اور کسی ملک کے طرف۔
بلکہ جب یہ کام پورا ہوجائیگا اور میرے ہاتھ سے اسلام کی مدد ہوگی تو میں
مکہ معظمہ کو جاکر حج کرونگا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر شریف کی زیارت
کرکے بیت المقدس میں رہونگا۔ یہاں تک کہ وہیں مرجاؤنگا۔ اوسکے بعد کہا

کہ ہمارے اس ارادہ کا حال امیر عرب کو کون پہونچائیگا۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے
کہا کہ اون کے جاسوس یہاں موجود ہیں۔ جنکو میں پہچانتا ہوں اون کے ذریعہ
سے میں کہلا دیتا ہوں۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک پیر مرد وہاں موجود ہوے
چونکہ شب تاریک تھی یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے بہت غور و تامل سے اون کو
دیکھا کہ وہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہیں اونھوں نے سب پر سلام کرکے
یوقنا سے کہا کہ امیر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمھیں دعا دیکر یہ کہلایا ہے کہ
اونھوں نے خواب دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں
کہ اے ابو عبیدہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور رحمت کی تمھیں بشارت ہے
کہ کل انطاکیہ صلح سے فتح ہو جائیگا۔ اور جو واقعات بادشاہ رومیہ یعنی فلنطاوس
پر اس موقع میں گذرے اور جو پیش آنے والے ہیں سب بیان کئے اور فرمایا
کہ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اور فلنطاوس تم سے قریب ہیں۔ اونکو اس سے مطلع کردو
فلنطاوس نے جب ان واقعات و بشارات کو سنا ایک ایسی حالت اوس پر
طاری ہوئی کہ جس کو وجد کہئے تو بے موقع نہ ہوگا۔ اور ساتھ ہی توحید و رسالت
کی شہادت دیکر کہا کہ یہ دین بیشک حق ہے۔

پھر وہاں سے لوٹکر بادشاہ کے لشکر کے اطراف چکر لگائے۔ یہ معلوم
کرانیکے لئے کہ بادشاہ کے لشکر کی حفاظت کر رہے ہیں۔

یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر گئے۔ واپس ہوے تو راستہ میں بادشاہ کا

حاجب ملا جو انطاکیہ سے نکلا تھا۔ اور اوس کے ساتھ ضرار ابن ازور اور رافع
اور دو سو قیدی ساتھ تھے۔ اور قصد کر چکا تھا کہ ان کو قتل کر کے اُن کے سر
مسلمانوں کے لشکر میں جب صف آرائی ہو پھینک دے۔ جب یوقنا رحمۃ اللہ علیہ
نے یہ سنا تو کہا اے بڑے حاجب تم جانتے ہو کہ صبح صف آرائی جنگ کی ہوگی
اور تم اُن کے سر انکے روبرو ڈالدوگے تو ضرور وہ لوگ جسکو گرفتار کریں گے
کبھی زندہ نہ چھوڑینگے خدا سے ڈرو اور جلدی مت کرو۔ اور اون کو میرے
پاس چھوڑ دو۔ اور بادشاہ سے عرض کرو کہ ان کے قتل میں توقف کرنا۔
اُسوقت تک بہتر ہے کہ عربوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ حاجب قیدیوں کو
یوقنا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چھوڑ کر بادشاہ کے پاس گیا اور جو اونھوں نے
کہا تھا بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا اونکو انھیں کے پاس چھوڑ دو۔ حاجب آکر
کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ تم انکی حفاظت کرو۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو لیکر
اپنے خیمہ میں آئے۔ مگر انکا نکلنا انطاکیہ سے شاق ہوا۔ کیونکہ انھوں نے
قصد کر لیا تھا کہ ان کی مدد سے شہر پر قبضہ کر لیں گے۔ بہر حال جب خیمہ میں
آئے تو ان کے بیڑیں وغیرہ سب کاٹ دئیے۔ اور ہتیار انکو دیئے اور انکو
اس مشورہ کی خبر دی جو فلنطانوس کے ساتھ ہوا تھا کہ ہرقل پر مسلط ہو جائیں
ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم کل میں جہاد کر کے خدا تعالیٰ کو راضی کرونگا
واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہرقل نے خواب دیکھا ایک شخص

آسمان سے اترا اور اوس کے تخت سے اوس کو گرا دیا۔ اور تاج اوس کے سر سے اڑ گیا۔ اور ایک شخص کہہ رہا ہے جو زمانہ دور تھا آگیا۔ اور سوریہ تیرے ملک سے نکل گیا اور تیری سلطنت سوریہ سے زائل ہوگئی۔ شقاق و نفاق جاکر دولت وفاق قائم ہوگئی۔ اور اوسی شخص نے لشکر میں پھونک ماری۔ جس سے تمام لشکر میں آگ بھڑک اوٹھی۔ جب ہرقل نیند سے بیدار ہوا تو سمجھ گیا کہ اب ملک کا زوال ہے۔ اب تمام اپنے اہل و عیال اور کنبے کے لوگوں کو روانہ کر دیا۔ اور اپنے غلام طالیس ابن ریہوس کو جو اوس سے بہت مشابہ تھا اپنا لباس پہنا کر اپنے قائم مقام کر دیا۔ اور خود روپوش ہوگیا۔ جب طالیس صبح کو میدان جنگ میں کھڑا ہوا۔ اور معرکہ کارزار گرم ہوا۔ تو صحابہ نے نہایت جانفشانی کی۔ اور ادھر فلنطانوس نے طالیس کو گرفتار کر لیا۔ یہ دیکھتے ہی لشکر کفار نے سمجھا کہ ہرقل گرفتار ہوگیا۔ اور بھاگ نکلے مسلمانوں نے اون کا تعاقب کرکے ہزاروں کو قتل کیا۔ اور تیس ہزار آدمیوں کو قید کر لیا اور تمام متاع اور خزانے وغیرہ لوٹ لئے۔ اور کل اموال غنیمت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے روبرو لائے گئے۔ اونھوں نے سجدۂ شکر بجا لایا۔ اور تمام مسلمانوں نے ایک دوسرے پر سلام کیا۔ اور یوقنا رحمۃ اللہ علیہ و فلنطانوس اور اون کے رفقا جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سب اونکی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے کہ کسی قوم کا کریم جو تمہارے پاس آجائے تو اوسکی تکریم اور بزرگی کرو۔ فلنطانوس نے مسلمانوں کی تواضع اور حسنِ سیرت دیکھ کر کہا کہ خدا کی قسم یہی وہ قوم ہے جس کی بشارت عیسی علیہ السلام نے دی تھی اسوقت تمام خاندان کے لوگ اسلام لائے۔ اور کفار سے کے ساتھ جہاد کئے یہانتک کہ تمام شہر فتح ہو گئے اوس کے بعد فلنطانوس حج کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبرِ مبارک کی زیارت کے لئے مدینۂ مبارک گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب اونکو دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ اونھوں نے اور تمام مسلمانوں نے اون سے مصافحہ کیا۔ پھر وہ بیت المقدس میں جاکر عبادت میں مشغول ہوئے یہانتک کہ انتقال ہو گیا۔

تاریخ واقدی میں لکھا ہے کہ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر چڑھائی کی اور قبطیوں سے مقابلہ ہوا تو بہادرانِ اسلام نے دادِ جوانمردی کی اور ایک ہزار سے زیادہ قبطیوں کو قتل اور بہتوں کو قید کر لیا اور باقی سب سامان وغیرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سامال اور غلام و لونڈیاں ہاتھ آئیں منجملہ ان کے ارمانوسہ بادشاہِ مقوقس کی لڑکی بھی غنیمت میں ملی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ آپ لوگ جانتے ہو کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ھل جزاء الاحسان الا الاحسان اور یہ بھی جانتے ہو کہ یہاں کے

بادشاہِ مقوقس نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ روانہ کیا تھا اور حضرت کی عادت تھی کہ ہدیہ قبول کر کے اسکا شکریہ ادا کرتے ہم لوگ زیادہ تر مستحق ہیں کہ مقوقس نے جو ہدیہ بھیجا تھا اسکا معاوضہ کر دیں۔ اس لئے میری رائے ہے کہ شہزادی اوس کے باپ کے پاس روانہ کر دی جائے۔ سب نے بطیبِ خاطر قبول کیا اور اُن کی رائے کی تحسین کئے اور شہزادی کو اعزاز کے ساتھ روانہ کر دیا۔ انتہیٰ

یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ شہزادی کا ملجانا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی جس سے ہر شخص کو اوس وقت یہ خیال ہو گا کہ اوس کے معاوضہ میں بڑے بڑے منافع حاصل کر سکتے ہیں بادشاہ اپنے جگر گوشہ کے معاوضہ میں ہماری کوئی بات رد نہ کر سکے گا ایسی نعمتِ عظمیٰ سے دست بردار ہو جانا کوئی آسان بات نہیں خصوصاً ایسے وقت میں کہ ایک بڑے ملک کو فتح کرنے جا رہے ہیں جہاں چھوٹے چھوٹے ذرائع کامیابی بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے مگر سبحان اللہ کسی بزرگوار نے یہ بھی تو نہ کہا کہ یہ امر خلافِ مصلحت ہے۔ ادھر ایک عقیدت مند نے اپنی رائے پیش کی اُدھر تمام لشکر نے فوراً اس کو قبول کر لیا کیوں نہ ہو سب ایک رشتۂ عقیدت میں بندھے ہوئے تھے۔

زلفت ہزار دل بہ یکے تار مو بہ بست	راہِ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست

اگر ان حضرات کے معمولی طبائع ہوتے تو ضرور اعتراض پیش کیا جاتا کہ اگر مقوقس نے ہدیہ بھیجا تھا تو وہ ایک معمولی بات تھی جو سلاطین میں ہوا کرتی ہے اور وہ ہدیہ ہی کیا تھا۔ دو چار لونڈیاں ایک غلام۔ ایک گھوڑا۔ ایک گدھا ایک خچر اور کچھ شہد وغیرہ اس کے معاوضہ میں ایسی نعمتِ غیر مترقبہ کو دیدینا ہرگز مقتضائے عقل نہیں۔ پھر اگر معاوضہ دیا بھی گیا تو کیا فائدہ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو ممکن تھا کہ خوش ہوتے۔ اب تو۔ مصرعہ

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

کا مضمون ہے۔ آدمی جب مر اوہ گیا گذرا ہو گیا اس کو خوش کرنا اور اسکا خوش ہونا ممکن نہیں۔ غرض اس قسم کی بیسیوں عقلی دلائل پیش کرتے اور اسپر بہت زور دیا جاتا کہ مُردہ کی خوشی کے واسطے کوئی کام کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً مگر اُن حضرات تک تو نئے خیالات کا گذر ہی نہ تھا وہاں تو وہ خیالات جمے ہوئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور فیضانِ صحبت نے اُن کے دلوں میں کندہ کردیا تھا اس لئے کسی کو ان رکیک خیالات کا خطور بھی نہ ہوا اور سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو اپنی کامیابی پر مقدم رکھا۔ محبت اسے کہتے ہیں کہ جو وفاداری اور جاں بازی روبرو تھی وہی غائبانہ ہے۔ اس میں ذرا بھی فرق نہیں اور جو امیدیں حضرت کی خوشنودی کے ساتھ پہلے وابستہ تھیں

اب بھی ہیں کیوں نہ ہو صحابہ کی محبت ایسی نہ تھی کہ صرف اشعار میں رونے رولانے کی غرض سے عمدہ مضامین تراشے جائیں بلکہ اس زمانے میں شعرا جو وجد انگیز عالی مضامین میں اشعار لکھ کر عشاق کے دلوں کو ہلا دیتے ہیں وہ اُن حضرات کی سچی حالت تھی اور اس اخلاص و عقیدت مندی کے نتائج بھی اون حضرات کو حاصل ہوتے تھے۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب لوقا اور ہربیس جو لشکر شام کے بڑے سردار تھے دمشق سے بھاگ گئے۔ ایک روز بولس جو اسی جنگ میں مسلمان ہو گئے تھے خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کا قصد تھا کہ ان دونوں کا تعاقب کریں کیا وجہ ہے کہ اس ارادہ کو آپنے فسخ کر دیا؟ فرمایا کہ ان کو بھاگ کر چار روز ہوئے اور وہ اس عرصہ میں بہت دور نکل گئے ہونگے کیونکہ بھاگنے والا جان بچانے کی غرض سے بہت تیز رَو ہوتا ہے ہمیں امید نہیں کہ انکو پاسکیں۔ کہا میں اس ملک کے راستہ سے واقف ہوں بہت نزدیک کے راستہ سے آپ کو لیجا سکتا ہوں۔ مگر آپ مع لشکر نصرانیوں کا لباس پہنئے کیونکہ نصرانیوں پر سے گذر نا ہو گا چونکہ مقصود اس بادہ پیمائی سے رضائے الٰہی حاصل کرنا تھا فرمایا مضائقہ نہیں چنانچہ آپنے مع چار ہزار اہل اسلام کے نصرانیوں کا لباس زیب بدن فرمایا اور یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔ **شعر**

از کو چہ اش گذشتن مقصود عاشقان است	بر سر کلاہ تتری باشد و یا کیانی

اور تھوڑے عرصہ میں ان کو پالیا اور جنگ عظیم ہوئی جس میں توما جو
ہرقل کا داماد تھا خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اب تمام
بہادران لشکر شام اس تاک میں ہیں کہ کسی طرح خالد رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالیں
اور انکی یہ حالت کہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ میں بہادر سوار ملک عرب ہوں
کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم تم پر قابض نہ ہونگے یہ ہرگز نہ ہوگا یہ وہ وقت تھا کہ لشکر شام
کو ہزیمت ہو چکی تھی اور بہادران اسلام غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے ہربیس
جو سپہ سالار لشکر شام تھا بہادر افسروں سے خطاب کرکے کہا کمبختو یہ وہی شخص ہے
جس نے خطۂ شام کو الٹ دیا۔ بصریٰ۔ فاران۔ دمشق اور اجنادین کو فتح کیا
اسوقت یہاں سے اب اسکو جانے نہ دو۔ ہر طرف سے بہادران شام آپ پر
ٹوٹ پڑے۔ اور آپ تنہا ان سے لڑ رہے تھے چونکہ وہ پہاڑی مقام تھا۔
گھوڑے کام نہیں دیتے تھے۔ اس لئے بہادران شام نے پیادہ ہوکر خالد
رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا آپ بھی پیادہ ہوگئے اور داد جواں مردی دیرہے تھے
کہ ہربیس نے پیچھے سے آکر آپ پر اس زور سے وار کیا کہ آپ کا خود کٹ گیا۔
اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اسوقت آپ کو خیال ہوا کہ ہربیس کے طرف
متوجہ ہوں تو جتنے لوگ مقابل ہیں ان کو موقع مل جائیگا اور اسی حالت پر
رہوں تو دشمن قوی کو پورا موقع حاصل ہے کہ دوسرا وار کرے اسوقت آپ کو
سوائے اس کے کچھ نہ سوجھا کہ بہ آواز بلند تکبیر و تہلیل کہکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پر درود پڑھا اس کے بعد تھوڑا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اہل اسلام کی فوج کلمہ پڑھتی ہوئی پہونچ گئی اور فتح ہو گئی۔

خالد رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ جو تائید کے لئے آئے تھے اُن سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں انھوں نے کہا ہم اہل شام سے لڑ رہے تھے جب انکو ہزیمت ہوئی تو مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے اسوقت غیب سے آواز آئی کہ تم غنیمت میں مشغول ہو اور ادھر رومیوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا ہے یہ سنتے ہی ہم سب چھوڑ کے آپ کی مدد کو نکلے اور ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں ہیں ایک پہلوان نے ہمیں یہ خبر دی کہ آپ اس پہاڑ میں ہیں جب آپ تن تنہا ایک فوج کثیر سے گھر گئے اور ہر طرف جہانتک نظر پڑتی ہے سب خون کے پیاسے نظر آتے ہیں اور ایک تو ہی پہلوان ایک وار کرکے دوسرا وار کرنے کے لئے مستعد سر پر کھڑا ہے اور اتنی بھی فرصت نہیں کہ اسکو مڑکر دیکھیں اور اسکا دفعیہ کریں اور رفیقوں کا یہ حال کہ خبر تک نہیں وہ کہاں ہیں کہئے وہ کیسی خطرناک اور مایوسی کی حالت ہوگی اسوقت درود شریف کا یاد آجانا ایک حیرت خیز امر ہے کیونکہ وہ وقت وظیفہ پڑھنے کا نہ تھا وہاں تو یہ ضرورت تھی کہ اس خطرناک تہلکہ سے کسی طرح رستگاری ہو اور دشمن پر فتح پائیں ظاہر اور درود شریف کو اس سے کوئی مناسبت نہیں مگر وہ حضرات صحبت یافتہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ جانتے تھے

کہ بارگاہِ کبریائی میں جو عرض و معروض اپنے آقائے دارین کے توسل سے پیش ہو
اسکی پذیرائی فوراً ہوجاتی ہے چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ ہر دعا کے اول
و آخر درود شریف پڑھا جائے اسمیں یہ علم ہے کہ درود شریف ایک خاص قسم
کی دعا ہے جو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیجاتی ہے۔ اس سے
یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ہم بھی حضرت کے دعا گویوں میں ہیں ورنہ خدائے تعالیٰ
نے آپ کو وہ مدارج و مراتب عطا فرمائے ہیں کہ کسی کا وہم و خیال بھی وہاں تک
نہیں پہنچ سکتا یہی دعا گوئی اور خیر خواہی پسند بارگاہ کبریائی ہے جسکا اظہار
عرض حاجت کے وقت کیا جاتا ہے غرضکہ اس نازک حالت میں بجائے اسکے
کہ کچھ دعا کریں درود پڑھنے لگے اور بارگاہ کبریا میں عرض کی تو یہ کی کہ یا اللہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیج جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنے مرنے کا
غم نہ جینے کی خوشی ہمارا مقصود اصلی یہ ہے کہ ہمارے آقائے نامدار پر تو بے در بے
درود و سلام بھیج۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سے بہتر حسن طلب کا کوئی
طریقہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جب بارگاہِ کبریائی میں یہ بات باور کرادیگئی کہ مرتے
دم تک ہم تیرے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرتے ہیں اور ایسی
نازک حالت میں دعا بھی ہے تو یہی کہ الٰہی ہر طرح کا فضل احسان و رحمت
اپنے حبیب پر فرما تو ایسے عقیدت مند خیر خواہ جان نثار پر کس قدر مہربانی توجہ
حضرت کی ہوگی اور قاعدہ ہے کہ جو دوست کا خیر خواہ جان نثار ہو اس سے

ایک خاص قسم کی محبت ہوتی ہے اور اس کی حاجت روائی باعث خوشنودی دوست سمجھی جاتی ہے غرضکہ اُس نازک حالت میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو خلوص تھا بارگاہِ کبریائی میں پیش کر کے اپنی حاجت کا اظہار کیا کہ اگر اسوقت حاجت ہے تو یہی ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا فضل و احسان فرما اور اپنے ذاتی حاجت پر اسکو مقدم کر کے اپنی حاجت اور ضرورت کو حق تعالی کی مرضی پر تفویض کر دیا۔ اب ایسے مخلص کی حاجت روائی میں کس قدر توجہ ہونی چاہیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو وہ حالت تھی کہ جس کو دم واپسیں کہیں تو بیجا نہ ہوگا یا فوراً انقلاب عظیم ہوگیا۔ اور فوج عظیم پر انکا غلبہ ہو کر فتح ہو گئی یہ سب طفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثمرہ اوس دعاگوئی کا تھا جو اُس نازک حالت میں کیگئی اگر ہم میں وہ خلوص نہیں تو ان حضرات کی تقلید ہی کر کے انشاء اللہ تعالی فائز المرام ہو سکتے ہیں۔

آکام المرجان میں لکھا ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک درخت تھا جس کی پرستش لوگ کرتے تھے۔ ایک شخص نے یہ حالت دیکھ کر حمیت اسلام کے جوش میں اوسکو کاٹنا چاہا۔ جب کاٹنے لگا تو شیطان نے آدمی کی شکل میں آکر کہا یہ کیا کرتے ہو۔ کہا کہ لوگ خدائے تعالی کو چھوڑ کر اُس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے میں اسے کاٹ ڈالتا ہوں شیطان نے کہا کہ میں ایک بات ایسی بتاتا ہوں کہ آپ کو اس سے زیادہ نفع ہو۔ کہا وہ کیا کہا اسکو

چھوڑ دیجئے اس کے معاوضہ میں ہر روز دو دینار یعنے اشرفیاں آپکو پہونچ جایا کرینگی۔ صبح ہوتے ہی آپ اپنے تکیہ کے نیچے سے لیلیا کیجئے۔ کہا اس کا اطمینان کیونکر ہو سکے۔ کہا میں ضامن ہوں۔ یہ سُن کر مکان کو آگیا صبح ہوتے ہی جب دیکھا تو فی الواقع تکیہ کے نیچے دو دینار رکھے ہوے تھے لیلیا۔ دوسرے روز جب تکیہ کے نیچے دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ غصہ میں آکر کہا کہ اب تو اوس درخت کو کاٹ ڈالونگا۔ جب وہاں پہونچا اور کاٹنا چاہا تو پھر ایک شخص آکر پوچھا کہ یہ کیا کرتے ہو۔ کہا لوگ خدائے تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر اس درخت کی پرستش کرتے ہیں اس لئے اسکو کاٹ ڈالتا ہوں۔ کہا تو جھوٹا ہے۔ اب ہرگز نہیں کاٹ سکتا۔ اوس نے یہ سُن کر کاٹنے لگا۔ اوس شخص نے اوسکو زمین پر دے مارا اور گلا گھونٹتے ہوے پوچھا کہ تو جانتا ہے میں کون ہوں۔ میں شیطان ہوں۔ اول جب تونے یہ قصد کیا تھا تو غصہ خدا کے واسطے تھا اس لئے میں کچھ نہ کر سکا۔ اسلئے کہ دو دینار کی چاٹ لگادی۔ آج کا یہ غصہ تیرا دینار نہ ملنے کی وجہ سے تھا اس میں تجھ پر غالب ہو گیا۔ انتہیٰ

دیکھئے دونوں وقت کام ایک تھا یعنے پرستش درخت کو موقوف کرانا مگر خلوص کے وقت کامیابی کی توقع تھی۔ اور غرض ذاتی کے وقت معاملہ بالعکس ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ نہ بت پرستی سے خدائتعالیٰ کا کوئی نقصان ہے۔ نہ اوس کے موقوف ہونے سے کوئی نفع۔ بلکہ دونوں صورتوں میں بندوں ہی کا

نفع یا نقصان ہے۔

صحابہ خلوص سے دین کی حمایت کرتے تھے اوس سے اونکے مدارج بڑے اور اوس خلوص کا یہ اثر ہوا کہ دور دراز تک اسلام پھیل گیا۔ اور اقوام کے دلوں میں اونکی عزت وہ ہوئی کہ کسی قوم کو نصیب نہیں۔ اوس کے بعد جب خلوص جاتا رہا تو بجاے ترقی تنزل شروع ہوا اور مسلمانوں کی وہ عزت جو اسلام کے زمانہ میں دوسری قوموں کے دلوں میں تھی جاتی رہی غرضکہ جو کام خلوص سے کیا جاے اوسمیں ایمانی فائدہ ہے۔

خلوص پر حالات صحابہ

شفا میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اور اسکی شرح میں خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیہقی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جنگ اُحد میں ایک انصاریہ بیوی کے باپ بھائی اور خاوند شہید ہوگئے جب انھیں یہ خبر پہونچی تو بے اختیار دوڑیں اور ہر طرف پوچھتی پھرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت ہے لوگوں نے کہا خیریت ہے۔ کہا اس سے میری تسکین نہیں ہوسکتی جب تک کہ جمال جہاں آرا کو میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیگئیں۔ جب آپ کو اونھوں نے مسند آراے صحت وعافیت پایا کمال مسرت سے کہا کل مصیبۃ بعدک جلل یعنے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی مصیبتیں آپکے بعد ہیں سب آسان ہیں انتہی ہر شخص جانتا ہے کہ عورت کو اپنے باپ بھائی سے خصوصاً شوہر سے

کیسی محبت ہوتی ہے اور انکے مرنے سے عورتوں کا کیا حال ہوا کرتا ہے عمر بھر یہ داغ انکے دلوں کو جلاتا رہتا ہے۔ ان قرابتداروں سے ایک ایک کی موت جو آفت ڈھاتی ہے محتاج بیان نہیں پھر جب وقت واحد میں تینوں کی موت کی خبر یکایک پہونچی ہوگی تو دل کا کیا حال ہونا چاہئے مگر سبحان اللہ وہاں تو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے کسی کا خیال بھی نہ تھا۔

نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار	چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

اس لئے کسی کی موت کا انکے دل پر کچھ اثر نہوا اور جبتک انھوں نے بچشم خود حضرت کو دیکھ نہ لیا کسی کے طرف توجہ نہ کی اور کس عمدگی سے یہ مضمون ادا کیا۔ کہ جب آپ سلامت ہیں تو پھر ہمیں کسی کا کیا غم۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ قرابت قریبہ کا غم آدمی کی فطرت میں داخل ہے باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان کے دل میں کیسی مستحکم اور راسخ ہوگی کہ یہ فطرتی امر بھی اس کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکا۔

چونکہ فطرتی اور طبعی امور پر امر عارضی غالب نہیں ہو سکتا اسوجہ سے یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئیگی کہ اُن بیوی کو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے شوہر وغیرہ مقتولوں کا اوسوقت کچھ غم نہ تھا فی الحقیقت آدمی ہی بات سمجھ سکتا ہے جس کا کبھی اوسے وجدان ہوا ہو اور جن امور کا کبھی وجدان ہی نہ ہوا ہو تو سمجھ اس کی اُن سے قاصر رہتی ہے مگر عقل کی رو سے یہ درست نہیں

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شخص کے کل وجدان دوسرے کے جیسے ہوں۔ دیکھ لیجئے جن طبیعتوں کو شعر کا مذاق ہوتا ہے۔ اُن کو بعضے اشعار پر وہ تلذذ ہوتا ہے کہ وجد کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا علیٰ ہذا القیاس عنین کو جماع کے التذاذ کا وجدان ممکن نہیں غرضکہ ان بیوی پر جو وجدانی کیفیت اوسوقت طاری تھی اسکے آثار یہ بتلا رہے ہیں کہ ان کو اسوقت اپنے شوہر وغیرہ کا ذرا بھی غم نہ تھا بلکہ ہمہ تن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فکر میں مستغرق تھیں بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت عشقیہ ہونا ایک دولت عظمیٰ ہے ہرکسی کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ **مصرع** طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست۔

اہل اسلام میں وہی لوگ بڑے درجہ کے سمجھے جاتے ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال درجہ کی محبت ہوتی ہے اور کمال درجہ کے ایمان کا مدار بھی اسی پر رکھا گیا ہے جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین یعنے کوئی ایمان نہیں لاتا جبتک اس کے دل میں میری محبت اولاد اور باپ اور تمام لوگوں کی محبت سے زیادہ نہیں ہوتی اس پر قرینہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں

نبی صلعم کی محبت کمال ایمان ہے

کوئی شخص کیسا ہی دوست ہو اگر کچھ کہتا تو وہ ہرگز نہ مانتے اور حضرت ہی کی
اطاعت کرتے اسکی وجہ یہی تھی کہ محب اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے جیسا
کہ مشہور ہے ان المحب لمن یحب یطیع اس حدیث سے جو معلوم ہوتا ہے
کہ ایمان سے پہلے صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوجاتی تھی اسکی
وجہ یہ تھی کہ جو کفار منصف مزاج تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق
عادات اور حرکات وسکنات پر غور کیا کرتے تھے پھر جب ان تمام امور میں
غیر معمولی کمال کا مشاہدہ کرتے تو بالطبع آپ سے انکو محبت ہوجاتی تھی کیونکہ
طبیعت انسانی کمال پسند واقع ہوئی ہے دیکھ لیجئے کہ کسی کمال کا شخص کسی شہر
میں آجاتا ہے تو لوگ اس کے گرویدہ ہوجاتے اور اون کو اس سے محبت پیدا
ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے ع کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی۔
جب ایک کمال باعث محبت ہوجائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
ستودہ صفات تو مجمع کمالات صوری ومعنوی تھی سوائے متعصب کے ایسا کون ہوگا
جسکو آپ کے ساتھ ذاتی محبت نہ ہوتی ہوگی۔ حضرت کے کمالات تو بے انتہا ہیں
مگر اسمیں سے چند یہاں بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھے جاتے ہیں۔

آپ کی شرافت نسبی تمام ملک عرب میں مسلم تھی کیونکہ آپ قریشی اور
ہاشمی تھے اور قبیلۂ قریش اور اوسمیں سے خاص بنی ہاشم نہایت معظم اور مکرم
مانے جاتے تھے کیونکہ کعبہ شریف جو ملک عرب میں واجب التعظیم تھا اس کے

کل خدمات اسی قبیلہ سے متعلق تھے۔ اور علاوہ اس کے اُس قبیلہ کی شجاعت اور سخاوت شہرۂ آفاق تھی۔ آپ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ اسد اللہ الغالب علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی ہنگامہ کارزار گرم ہوتا اور دونوں فوجیں باہم قریب ہوجاتیں تو ہم لوگ حضرت کی پناہ میں آجاتے اور حضرت سب سے آگے دشمن کے قریب رہتے اور یہ بھی آپنے فرمایا ہے کہ میری اور سب اہل لشکر کی حالت جنگ بدر میں یہی تھی کہ حضرت کی پناہ میں ہم لوگ چلتے تھے اور حضرت فوج اعدا کے جانب بڑھے جاتے تھے۔

آپ کی طاقت اور قوت جسمانی کی یہ کیفیت تھی کہ ابو رکانہ جو تمام عرب میں زبردست پہلوان مانا جاتا تھا جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا تھا اُس نے ایام جاہلیت میں یعنے بعثت سے پہلے آپ سے کشتی کی درخواست کی آپ نے قبول فرمایا اور متواتر تین بار اسکو زمین پر دے مارا اور اُسکا فرزند رکانہ بھی نہایت قوی پہلوان تھا بعد بعثت جب آپنے اُسکو دعوت اسلام کی اُس نے کہا کہ اگر آپ کشتی میں مجھ پر غالب ہوجاؤگے تو میں مسلمان ہوجاؤنگا چنانچہ کشتی ہوئی اور آپ اس پر غالب ہوگئے اور وہ مشرف باسلام ہوئے کما فی الخصائص وغیرہ۔

آپ کی مروت کا یہ حال تھا کہ ابو طالب ہر روز صبح لڑکوں کو کھانا کھلایا کرتے انمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوتے۔ لڑکے حسب اقتضاے طبع

شجاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

قوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مروت آنحضرت
روایت
ابن عباس

دست درازی کرکے ایک دوسرے کے سامنے سے کھانا کھا لیتے چنانچہ حضرت
کے روبرو سے لے لیتے اور حضرت خاموش بیٹھے رہتے اور بھوکے رہ جاتے
تھے ابوطالب نے یہ دیکھ آپ کا کھانا ہی علٰحدہ مقرر کر دیا۔ اب غور کیجئے
کہ لڑکپن میں جب یہ حالت ہو تو ایام نبوت میں کیا حال ہوگا۔

تواضع کا یہ حال تھا کہ آپ فرمایا کرتے کہ میں ایک بندہ ہوں جس طرح
غلام کھاتے ہیں میں بھی کھاتا ہوں اور جس طرح غلام بیٹھتے ہیں میں بھی بیٹھتا ہوں
اور اکثر آپ مسکینوں کی بیمار پرسی فرماتے اور فقرا کے ساتھ تشریف رکھتے
اور کسی مجلس میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں تشریف رکھتے اگر غلام بھی
آپ کی دعوت کرتا تو تشریف لیجاتے ایک بار ایک عورت خدمت میں حاضر ہوئی
جس کی عقل میں کچھ فتور تھا اور عرض کی کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے فرمایا مدینہ کے
جس راستے میں بیٹھنا منظور ہو بیٹھ جا میں وہیں آجاؤنگا چنانچہ وہ کسی راستہ
میں بیٹھی اور آپ بھی اس کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے اور جو اسکی التجا تھی وہ
پوری فرمادی۔

فصاحت کا یہ حال کہ لوگوں کو آپ کی غیر معمولی فصاحت سے تعجب ہوتا
چنانچہ کنز العمال میں روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے استفسار کیا
کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کبھی ہم لوگوں سے جدا نہیں ہوئے۔
پھر کیا وجہ کہ آپ ہم سب سے فصاحت میں زیادہ ہیں فرمایا جبرئیل علیہ السلام

نے مجھے تعلیم کی اور شفار میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمنے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو فصاحت میں آپ سے زیادہ ہو۔ عرب میں مختلف قبائل ہیں اور ہر ایک کے محاورات علیحدہ ہیں آپ جس قبیلہ کے لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں اُسی کے محاورات میں کرتے ہیں اور فصحار و بلغار کے جواب خاص طرز پر دیتے جسکو ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا تھا چنانچہ شفار میں اکثر مذکور ہے۔

عقل

کمال عقل اس درجہ پر تھا کہ تمام عقلا آپ کے تدابیر سے حیران ہیں جو لوگ آپکی نبوت کے قائل نہیں انھوں نے بھی آپ کو اعلیٰ درجہ کا عقلمند تسلیم کرلیا ہے جیسا کہ اہل یورپ نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔

صدق و راست بازی

آپ کی صدق و راست بازی اور امانت کی یہ کیفیت کہ قبل نبوت بھی سب آپکو امین کہا کرتے تھے ایک بار آپنے کفار قریش کو جو کل مخالف اور جانی دشمن تھے جمع کرکے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ ایک لشکر عظیم الشان چلا آرہا ہے تو کیا تم لوگ اس کی تصدیق کروگے سب نے بالاتفاق کہا کہ بیشک ہم تصدیق کرینگے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں کہتے۔

حلم کی یہ کیفیت کہ کیسی ہی اذیت پہونچے بدلہ لینا جانتے ہی نہیں دیکھئے جنگ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرۂ مبارک پر شدید زخم آیا صحابہ پر یہ امر بہانتک شاق ہوا کہ سب نے عرض کی یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع میں آپ اُن اشقیا کے حق میں بددعا کیجئے آپنے فرمایا یہ میرا کام نہیں ہے مجھے حق تعالیٰ نے خلق کو دعوت کرنیکے لئے رحمت بناکر بھیجا ہے۔ اس کے بعد آپنے دعا کی یا اللہ میری قوم کو ہدایت فرما وہ جانتے نہیں کہ میں اُنکا کیسا خیرخواہ ہوں۔

عفو کا یہ حال کہ اگر کسی نے قتل پر بھی اقدام کیا تو آپنے معاف فرمادیا چنانچہ شفا میں روایت ہے کہ کسی غزوہ میں آپ ایکبار درخت کے سایہ میں تنہا آرام فرما رہے تھے اور صحابہ دوسرے درختوں کے تلے تھے ایک کافر جس کا نام غورث تھا سب کو غافل پاکر بارادۂ قتل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا اور تلوار کھینچکر وار کرنا چاہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی آپ نے وہی تلوار لیکر فرمایا کہ اب تجھے کون بچائیگا کہا کہ مواخذہ میں رعایت فرمائیے آپنے اسکا قصور معاف فرمادیا اس نے اپنے قبیلہ میں جاکر کہا کہ میں ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں۔ جو خیر الناس ہے اور اُسی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا حضرت ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارہ نہایت گندہ اور سخت تھے۔ ایک اعرابی آیا اور اس چادر کو اس زور سے کھینچا کہ حضرت کے گردن مبارک پر اس کا اثر نمایاں ہوا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو اونٹ جو میرے ساتھ ہیں اُن پر

عفو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مال لادو جو تمھارے پاس ہے وہ نہ تمھارا مال ہے نہ تمھارے باپ کا بلکہ
اللہ کا مال ہے۔ حضرت خاموش ہوگئے اور کچھ وقفہ کے بعد فرمایا کہ ہاں اللہ کا
مال ہے اور میں اوسکا بندہ ہوں اسکے بعد فرمایا اے اعرابی کیا تجھ سے اس
سختی کا بدلہ لیا جائے جو تو نے میرے ساتھ کی اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا وجہ
کہا اسوجہ سے کہ آپ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کیا کرتے آپنے ہنسکر فرمایا
کہ اسکے ایک اونٹ پر جو اور ایک اونٹ پر کھجوریں لادو۔ انتہی

سخاوت کی یہ کیفیت کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
جب کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا کبھی آپنے لفظ لا کو
زبان پر نہیں لایا اسی مضمون کو فرزدق شاعر نے لکھا ہے۔ ع

ما قال قط لا الا فی تشہدہ	لولا التشہد کانت لاءہ نعم

غور کیجیے کہ اس سے بڑھکر سخاوت میں کوئی رتبہ ہوسکتا ہے کہ کسی سائل کو
محروم نہ کیا جائے حیرت تو یہ ہے کہ اگر حضرت کے پاس کچھ نہ ہوتا جب بھی
آپ سائل کو محروم نہ فرماتے چنانچہ شفا میں ترمذی شریف سے نقل کیا ہے
کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپنے فرمایا کہ اسوقت
میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم جس چیز کی درخواست کرتے ہو وہ خرید لو ہم اسکی
قیمت ادا کردینگے عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خدا تعالی نے آپ کو اس امر کی تکلیف نہیں دی کہ جو چیز آپ کے پاس نہ ہو

وہ بھی سائل کو دلا دیں اس کلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر آثار کراہت نمایاں ہوئے ساتھ ہی ایک صاحب نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فراغت سے خرچ فرمایئے اور اوس خدا کی نسبت جو عرش کا مالک ہے کبھی خیال نکیجئے کہ آپ پر تنگی ڈالیگا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام پر تبسم فرمایا اور چہرۂ مبارک پر آثار بشاشت نمایاں ہوگئے اور فرمایا مجھے بھی خدائے تعالیٰ نے ایسا ہی امر فرمایا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا آپنے اوس کو بکریوں کا ایک اتنا بڑا ریوڑ عطا فرمایا کہ دو پہاڑوں کے درمیانی میدان کو بھر دیا تھا وہ شخص نہایت خوشی سے اپنے گھر گیا اور قوم سے کہا کہ لوگو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار ہوجاؤ انکی عطا کا یہ حال ہے کہ ان کو فاقہ کا کچھ خوف نہیں۔ ایک جنگ میں قبیلۂ ہوازن کے چھ ہزار شخص قید کرلئے گئے تھے قبیلہ کے طرف سے انکی رہائی کے باب میں سفارش ہوئی آپنے اونکو رہا فرمادیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی بات میں چھ ہزار لونڈی غلام آزاد فرمادیئے۔ ایک بار نود ہزار درہم کہیں سے آئے آپ نے ان کو ایک بوریہ پر ڈلوا دیا اور تقسیم شروع کی یہانتک کہ اسی مجلس میں سب تقسیم کردیئے معوذ بن عفرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک طبق میں رطب اور ککڑیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیں آپنے اوسکے معاوضہ میں

زیور اور سونا کف بھر کے عطا فرما دیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپنے نصف وسق جو تخمیناً تین من
ہوتے ہیں قرض لیکر اُس کو عنایت فرمایا جب قرضدار تقاضے کو آیا تو آپنے
ایک پورا وسق اسکو عنایت کر کے فرمایا کہ نصف ادائی قرض میں لو اور نصف
بخشش یہ چند روایات ہیں جو شفاء قاضی عیاض سے نقل کیگئیں۔ اسی پر
قیاس کر لیجئے کہ روزانہ داد و دہش کا کیا حال ہوگا کیونکہ قاعدہ کی بات ہے
کہ جب کوئی شخص سخی مشہور ہوتا ہے تو اہل حاجت کا وہاں مجمع رہا کرتا ہے
پھر جب ملک عرب جن کی فلاکت و افلاس شہرۂ آفاق ہے وہاں کے فقرا
اس داد و دہش کے حالات خاص و عام سے سنتے ہونگے تو دور دور سے
جوق جوق آتے ہونگے۔

مقاصد الاسلام کے چھٹے حصہ میں بھی چند حالات آپ کی سخاوت کے
لکھے گئے ہیں غرضکہ یہ سخاوت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حصہ تھا۔ یہ
ایک ہی ایسی صفت ہے کہ آدمی کو محبوب بنا دیتی ہے۔ دیکھئے حاتم کے
نام پر اب تک محبت آتی ہے اور قارون کا نام سن کر بغض پیدا ہوتا ہے
حالانکہ ان دونوں سے اسوقت کوئی تعلق نہیں بخلاف اس کے جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی داد و دہش اور جود و سخا کا مشاہدہ ہوتا ہوگا تو کیسی
کیسی امیدیں آپ سے وابستہ ہوئی ہونگی۔

الحاصل جملہ اخلاق حمیدہ و صفات پسندیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
میں کامل طور پر پائے جاتے تھے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ صفات وہ ہیں
کہ جنمیں سے کسی میں ایک بھی پائی جائے تو اس کے ساتھ عموماً محبت ہوا کرتی
ہے پھر جب یہ تمام صفات علی وجہ الکمال حضرت میں موجود تھے جن کو سب لوگ
مشاہدہ کرتے تھے تو ایسا کون ہوگا جس کو بالطبع آپکے ساتھ محبت نہ پیدا
ہوتی ہوگی۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ عار اور تعصب وغیرہ کی وجہ سے یہ امور
نظر انداز کر دیئے جاتے تھے مگر اس قسم کے لوگ ایمان بھی لاتے نہ تھے ان کا
ذکر ہی کیا کلام اُن لوگوں میں ہے جو تعصب کو دور کر کے نظر انصاف سے
ان کمالات کو دیکھا کرتے تھے انکو مقتضائے طبع حضرت سے کمال درجہ کی
محبت ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا کیونکہ حسن و احسان اور کمالات
پر نظر پڑنیکے بعد آدمی کے دلمیں خود بخود محبت پیدا ہونا جبلی اور فطرتی امر ہے
بہر حال یہ کہنا بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کمالات کو دیکھ کر اہل انصاف کو
بالطبع محبت پیدا ہوتی تھی جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی کہ
لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ الخ۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اپنی جان کے میں آپ کو سب سے زیادہ دوست
رکھتا ہوں اس پر ارشاد ہوا لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ

یعنے کوئی ایمان نہ لائیگا جبتک میری محبت اس کے دل میں اسکی جان سے زیادہ نہوگی عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپکی محبت میرے دل میں میری جان سے بھی زیادہ ہے فرمایا (الآن یا عمرؓ) حاصل یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اپنی جان آدمی کو بہت عزیز ہوتی ہے یہ عرض کردی کہ میں اپنی جان کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اسپر جب یہ ارشاد ہوا کہ جبتک کوئی اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو عزیز اور محبوب نہ رکھے گا ایمان نہ لائیگا تو عمر رضی اللہ عنہ اصل مطلب کو سمجھ گئے کہ فی الواقع ایمان لانے سے پہلے یہی کیفیت ہوا کرتی ہے اسوجہ سے ہر مسلمان حضرت کے حکم پر اپنی جان دینے کو مستعد ہوجاتا ہے یہ اطاعت خبر دیتی ہے کہ مسلمان کو اپنی جان سے بھی زیادہ حضرت کی محبت ہوتی ہے کیونکہ اطاعت محبت پر دلیل ہے اسوقت عرض کی یا رسول اللہ یہ محبت تو مجھے بھی حاصل ہے اور قسم کھا کر صاف کہدیا کہ آپکی محبت جان سے بھی زیادہ ہے کما قال وَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ اس کے جواب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الآن یا عمرؓ یعنے اب تم نے سمجھ کر کہا کیونکہ اسوقت قسم کھا کر اپنے دعوے کو مدلل کیا اور پہلے جو عرض کی تھی وہ سرسری طور پر تھا جیسا کہ ان کے اس قول سے ظاہر ہے لانت احب الی من کل شئ الا نفسی۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی باغ میں تشریف لیگئے تھوڑی دیر کے
بعد ایک شخص دروازہ پر آکر کھٹکھٹایا آپنے فرمایا کہ اے انس رضی اللہ عنہ
اٹھو اور دروازہ کھولکر انکو خوشخبری دو کہ تم جنتی ہو اور میرے بعد خلیفہ ہوگے
میں نے عرض کی کہ انکو یہ بات معلوم کرا دوں فرمایا ہاں معلوم کرا دو۔ جب میں
دروازہ کھولا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے میں نے انکو وہ خوشخبری دیدی پھر دروازہ
پر کسی نے ٹھوکا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس رضی اللہ عنہ اٹھو
اور انکو خوشخبری دیدو کہ وہ جنتی ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہونگے
میں نے عرض کیا۔ کیا انکو یہ بات معلوم کرا دوں فرمایا ہاں معلوم کرا دو جب میں نے
دروازہ کھولا تو عمر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے میں نے انکو خوشخبری دی پھر ایک
شخص آیا اور دروازہ پر کھٹکھٹایا فرمایا اے انس رضی اللہ عنہ اٹھو اور انکو
خوشخبری دو کہ وہ جنتی ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہونگے اور شہید ہونگے
جب دروازہ کھولا تو عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے تھے میں نے انکو خوشخبری دی
اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا یا رسول اللہ میں کبھی نہیں گایا اور نہ کبھی
تمنا نہیں کی اور جب سے آپ سے بیعت کی اور آپ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا
اوس ہاتھ سے کبھی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ حضرت نے فرمایا اے عثمان رضی اللہ عنہ
یہ وہی بات ہے یعنے تمھارے ادب کا یہ ثمرہ ہے۔ انتہی۔
دیکھیے اس ادب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تعلیم نہیں فرمائی

ورنہ کل صحابہ سے ایسا ہی مروی ہوتا۔ مگر بات یہ ہے کہ کل صحابہ مؤدب تھے
یعنے قلبی کیفیت اونکی تقریباً ایک قسم کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
عظمت سب کے دلوں میں سرایت کی ہوئی تھی جس کے آثار مختلف طور پر
ظاہر ہوتے تھے۔ ہر صاحب بمقتضاے طبع ایک نئی قسم کا ادب تراش لیتے تھے
جس کو شریعت میں کوئی دخل نہیں بلکہ اونکی طبیعت کا اقتضا تھا اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بھی اونکو ایسے اختراعوں سے روکتے نہ تھے چنانچہ اس
حدیث میں دیکھ لیجئے کہ جب انھوں نے اپنی حالت کی خبر اوس موقع بشارت
میں دی تو یہ نہیں فرمایا کہ کس نے تم سے کہا تھا کہ ایسی چیز اپنے ذمہ پر لازم کرلو
جس کا شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ بلکہ ایسے سخت التزاموں سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اکثر منع فرمایا کرتے تھے چنانچہ احادیث میں مصرح ہے کہ کسی
بیوی نے یہ التزام کیا تھا کہ رات بھر جاگیں اور ایک رسی ٹانگ رکھی تھیں
اگر نیند غلبہ کرتی تو وہ اس سے سر کے بالوں کو باندھ لیتی تھیں۔ حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے وہ رسی کھلوادی اور انکو اس سے منع فرمایا اور بعض صحابہ نے
ہمیشہ روزہ رکھنے کا التزام کیا تھا اس سے اونکو منع فرمادیا تھا اس کے سوا
کئی نظائر کتب احادیث میں اسکے موجود ہیں برخلاف اس کے عثمان رضی اللہ عنہ
کے اس التزام کی وقعت کی کہ اوسی کو باعث مدارج قرار دیا۔ وجہ اسکی یہی ہوگی
کہ عبادت الٰہی میں اسقدر غلو کرنا ضرورت سے زیادہ ہے جیسا ارشاد ہوا

اُتنا کر لینا کافی ہے بخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے کہ وہ باعث ترقی مدارج ہے کیونکہ جس قدر حضرت کی عظمت زیادہ ہوگی اسی قدر ادب زیادہ ہوگا چونکہ یہ التزام ادب باعثِ ترقی مدارج تھا اس لیے حضرت نے اُس سے منع نہیں فرمایا اور اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں جس قدر محبوب کی عظمت زیادہ ہو اور اوس سے زیادہ ادب کیا جائے باعث خوشنودی محب ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ مشائخین عظام اس قسم کے آداب میں غلو اور التزام کرتے ہیں وہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرضی کے خلاف نہیں بلکہ باعث ترقی مدارج ہے اب ان حضرات کو ان امور کے لحاظ سے بدعتی کہنا بے موقع ہوگا خدائے تعالیٰ ہم لوگوں کو دین میں بصیرت عطا فرمائے جس سے ہم مستحسن اور غیر مستحسن امور میں فرق کر سکیں۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا۔ جب خطبہ سے فارغ ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اٹھو اور خطبہ پڑھو وہ اُٹھے اور خطبہ پڑھے مگر جس قدر کہ حضرت نے پڑھا تھا اُس سے کم۔ جب وہ فارغ ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد ہوا کہ تم بھی خطبہ پڑھو انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے بھی کم پڑھا اسکے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے فرمایا کہ تم بھی پڑھو انھوں نے

ایک طولانی خطبہ شروع کیا۔ آپ اون پر خفا ہوگئے اور فرمایا بیٹھ جا۔ انتہی ملخصاً

ظاہرا خطبہ پڑھانے سے صرف ادب کا امتحان مقصود تھا جسمیں دو نوں

صاحب کامیاب ہوئے اور تیسرے بزرگوار جن کا نام راوی نے مصلحۃً چھپادیا

ناکام رہے۔

اب غور کیجئے کہ ادب کی تعلیم یوں امت کو ہوا کرتی تھی غفلت میں فرمائش

کی گئی وہ موقع تو ایسا تھا کہ دل کھولکر اپنی طبیعت کے جوہر دکھائیں چنانچہ تیسرے

صاحب نے ایسا ہی کیا مگر ان حضرات کی طبیعت نے اسکو گوارا نہیں کیا اور

امتثال امر کے لئے خطبہ تو پڑھا مگر اوس مضمون کو ملحوظ رکھ کر کہ (ایاز حد خود شناس)

اتنا پڑھا کہ اپنا خطبہ حضرت کے خطبہ سے بڑھ نہ جائے۔ اس ادب کے مقابلہ میں

مقتضائے طبیعت کو چھوڑنے کی انھیں ضرورت ہوئی جن لوگوں کی طبیعت میں

ادب نہیں وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہیں کیونکہ مقتضائے طبیعت یہی ہے کہ آدمی

کسی کے روبرو اپنے کو ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ اور ادب اسوقت تک ظہور میں

نہیں آتا کہ جس کا ادب کرے اوسکو معزز اور اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں حقیر

سمجھے اسی مقتضائے طبیعت نے شیطان کو آدم علیہ السلام سے ادب کرنے نہیں دیا۔

خصائص کبریٰ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خدا

کی قسم کھاکر کہتے ہیں کہ حضرت کے زمانہ میں بھوک کے مارے اکثر میری حالت ہوتی

کہ کبھی زمین پر اپنے جگر کو لگا دیتا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھتا۔ ایک روز مارے

بھوک کے راستہ پر بیٹھ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے اون سے قرآن شریف کی ایک آیت پوچھی۔ اسمیں میری غرض یہ تھی کہ میری حالت دیکھکر اپنے ہمراہ لیجائیں۔ اور کھانا کھلائیں۔ مگر اونھوں نے خیال نہ کیا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ اون سے بھی اسی غرض سے ایک آیت پوچھی۔ اونھوں نے بھی کچھ توجہ نہ کی۔ پھر حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوے اور میری حالت دیکھکر تبسم فرماکر مجھے پکارے۔ میں لبیک یارسول اللہ عرض کیا۔ فرمایا میرے ساتھ چلو۔ جب مکان میں تشریف لیگئے تو مجھے داخل ہونے کی اجازت دی۔ میں جب داخل ہوا تو ایک پیالہ دیکھا۔ جسمیں دودھ تھا فرمائے یہ کہاں سے آیا کہا گیا کہ فلاں شخص نے بھیجا ہے۔ مجھے ارشاد فرمایا کہ اہل صفہ کو بلالو۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ اہل صفہ یعنے ڈھالیہ میں رہنے والے لوگ اسلام کے مہمان تھے۔ نہ اونکو جورو بچے تھے نہ مال تھا۔ جو حضرت کے پاس کہیں سے صدقہ آجاتا تو اون کے پاس بھیجدیتے۔ اور اوسمیں سے کوئی چیز نہ لیتے۔ اور اگر ہدیہ آجاتا تو اون کے پاس بھی بھیجتے اور کچھ آپ بھی رکھ لیتے۔ اور اوسمیں بھی اونکو شریک فرمالیتے الغرض جب اوس جماعت کو بلانیکے لئے مجھے فرمایا تو مجھے برا معلوم ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ اس تھوڑے سے دودھ میں اہل صفہ کا کیا ہوگا۔ اگر وہ مجھے عنایت ہوتا تو مجھے تو قوت آتی۔ اور میں جب اونکو بلانیکے لئے بھیجا جاتا ہوں تو جب وہ آئیں گے تو اونکو پلانیکے لئے مجھی کو حکم ہوگا۔ اور یہ دودھ اسقدر نہیں ہے

کہ اونکو بلانیکے بعد میرے حصہ میں بھی کچھ آسکے۔ مگر چونکہ خدا و رسول کی اطاعت ضروری تھی اونکو بلالیا۔ اور وہ آکے مکان میں بیٹھ گئے۔ مجھے فرمایا۔ یہ پیالہ اون کو دو۔ میں نے لوگوں کو دینا شروع کیا۔ ہر ایک سیری سے پیکر مجھے دیتا میں دوسرے کو دیتا۔ غرض کہ سب سیراب ہو گئے۔ اور نوبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس پیالہ کو دست مبارک پر رکھا۔ اور میری طرف دیکھ کر تبسم کرکے فرمایا۔ اب میں اور تم ہی باقی رہگئے ہیں عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا بیٹھ جاؤ اور پیو۔ چنانچہ میں نے خوب پیا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ پھر پیا۔ کئی بار اس طرح سے ارشاد ہوا اور میں پیتا گیا۔ آخر میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب گنجائش نہ رہی۔ اور قدح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچا ہوا دودھ پی لیا۔ انتہے

صحابہ رضی اللہ عنہ کے اخلاص اور توکل کی حالت اس روایت سے معلوم ہو سکتی ہے کہ دوسرے حوائج اور اسباب تنعم تو کہاں بھوک کے مارے بیتاب ہو کے اقسام کی تدبیریں کرتے کہ اوسکی اذیت کم ہو۔ مثلاً زمین پر جگر کو لگا دینا اور پیٹ کو پتھر باندھنا۔ اس قسم کے امور ہیں کہ جن سے بھوک نہیں جا سکتی مگر خیال کیا جاتا تھا کہ شاید اوس سے اذیت کم ہو جائے۔ باوجود اسقدر ضرورت کے کبھی کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حسرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے طرف آتے دیکھا ہوگا

توکس قدر اونکو خوشی ہوئی ہوگی کہ یہ دونوں حضرات اسلام میں سربرآوردہ اور
مسلمانوں کے خیرخواہ ہیں۔ ضرور رحم کرینگے۔ اگر اوسوقت ذرا اون سے اپنے
بھوک کا حال بیان کردیتے تو ضرور وہ اونکو کھانا کھلاتے اگر اپنے پاس کچھ
نہ تھا تو کچھ اور تدبیر کرتے پھر بھوکے بھی کون۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے
جلیل القدر اسلام کے سچے خیرخواہ اون کے لئے تو بہت کچھ سامان کیا جاسکتا
مگر سبحان اللہ اونھوں نے بھوک کا نام تک زبان پر نہ لایا۔ اور تدبیر کی تو یہی
کہ ایک آیت پوچھی۔ جس سے اونکی نظر اسپنے پر پڑے۔ اور وہ خود معلوم کرلیں
مگر معلوم نہیں کہ اسمیں کیا مصلحت الٰہی تھی۔ کہ ایسے جلیل القدر فریس حضرات کی
اون پر نظر پڑنے نہ پائی۔ اور اونکو حالت یاس میں چھوڑ کر چلے گئے ایسی حالت
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں تشریف فرما ہونا اور اونکو دیکھ کر تبسم فرمانا
ایک عجیب راز سربستہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس کا وجدان خاص ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
کو ہوا ہوگا جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت کے ساتھ جارہے ہونگے اونکے
دل کی حالت جو ہوگی اوسکو نہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرسکتے تھے نہ کوئی دوسرا
بیان کرسکتا ہے۔ اوس کے بعد ایک امتحان کا معاملہ درپیش ہوا تو اوس مخمصہ
کی حالت میں ارشاد ہورہا ہے کہ تھوڑا سا دودھ جو صرف اونہی کے لئے کافی ہو
نہ پی کر ایک جماعت کو بلاکر اون کو پلادیں اس امتحان میں سربر ہونا اونہی کا کام تھا
کیونکہ ضرورت کے وقت ہر چیز مباح ہوجاتی ہے۔ اگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

پھر عرض کرتے (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بھوک سے میں مر رہا ہوں۔ اور لوگونکو پلانے کا حکم ہو رہا ہے اس کا مستحق میں ہوں تو غالباً اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زجر نہ فرماتے۔ اور اگر بے ادبی بھی تھی تو اونکی بیقراری اور بے صبری کی حالت دیکھکر معاف فرما دیتے۔ مگر سبحان اللہ اون کا ادب اسوقت دیکھنے کے قابل ہے۔ کہ اوس حالت میں بھی کوئی لفظ ایسا زبان پر نہ لایا جو ناگوار خاطر اقدس ہو اور ہر ایک کو برابر پلاتے رہے اور ادب میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔

(اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ):

عرب میں دستور تھا کہ جب کھجور کے درخت کو پھول آتا تو نر کے پھول مادہ کے پھول پر اس غرض سے ڈالے جاتے کہ بار زیادہ آوے اسکو عرب میں تو بیر کہتے ہیں ایکبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک قوم پر ہوا جو تو بیر کر رہی تھی۔ آپنے فرمایا کہ اگر تو بیر نہ بھی کرتے تو اچھے یعنے بالیدہ ہونے والے ہو ہی جاتے۔ لوگوں نے اوس سال رسم مذکور کو ترک کر دیا اتفاق سے اوس سال کھجوریں خراب ہو گئیں۔ صحابہ نے واقعہ عرض کیا حضرت نے فرمایا تم اپنے دنیا کے کام خوب جانتے ہو مقصود یہ کہ اشیا کی خاصیات اور تاثیرات بیان کرنا نبوت سے متعلق نہیں۔ نبوت کا تو یہ کام ہے کہ خدا تعالے کے تقرب کے طریقہ بتائے جائیں۔ جو کام آدمی کو اس عالم میں مفید یا مضر ہوتے ہیں۔ بیان ہوں جس کے ضمن میں اصلاح اخلاق ہو جو اصلاح تمدن کا باعث قوی ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عدم ضرورت تو بیر بیان فرمایا تھا وہ ایک اعتقادی مسئلہ تھا کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بغیر حکم خدا کے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہزار تو بیر کیجائے جبتک حکم الٰہی نہ ہو نہ درخت بار آور ہو سکتا ہے نہ بار عمدہ۔ اب رہا یہ کہ عادت جاری ہے کہ تو بیر سے کھجور بالیدہ ہوتی ہے تو وہ دنیا سے متعلق ہے۔ جسکے توفیر کی تدابیر دنیا دار لوگ خوب جانتے ہیں مگر یاد رہے کہ تو بیر ہو یا اور اسباب اگر کوئی اون کو مستقل سمجھے اور اس کا اعتقاد نہ رکھے کہ اصل خالق خدا تعالیٰ ہے اور یہ اسباب صرف برائے نام ہیں تو اوس کے بیدین ہونے میں شک نہیں۔ انتم اعلم بامور دنیاکم کے الفاظ سے عتاب نبوی آشکار ہے جسکو لفظ دنیاکم سے ظاہر فرما دیا کہ تم دنیا دار ہو۔ اور اپنی دنیا کے حالات کو ہم سے زیادہ جانتے ہو۔ ہمیں نہ تمھاری دنیا سے تعلق ہے نہ دنیاداروں سے مطلب۔ اسی وجہ سے صحابۂ کرام اور اولیائے عظام دنیا سے بالکل علحدہ رہتے تھے۔ خلفائے راشدین کے حالات آپنے مقاصد الاسلام کے حصۂ پنجم میں دیکھ لئے کہ باوجود خلافت اور سلطنت کے کیسے فقر و فاقہ کی حالت میں اونھوں نے عمر بسر کی۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کی کیا حالت تھی۔ غرض کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع میں نہایت بلیغ پیرایہ میں عتاب ظاہر فرما دیا۔ اور دنیاداروں نے سمجھا کہ حضرت اون کے علم کی تعریف فرماتے ہیں کہ (تم ہم سے زیادہ جانتے ہو) حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ذق انك انت العزيز الكريم - یعنے کفار جب دوزخ میں جائیں گے تو
اون سے کہا جائیگا کہ اب چکھو تم تو بڑے عزیز و کریم ہو۔ کیا یہ توصیفی الفاظ
فی الواقع توصیف ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح انتم اعلم توصیف نہیں ہوسکتی
شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے الفاروق کے صفحہ (۱۳۰ و ۱۳۸)
میں لکھا ہے کہ رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق حمص وغیرہ سے نکلے تھے
انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے
انمیں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب
تم سے زور میں فوج میں سروسامان میں کم ہیں۔ پھر تم اُنکے مقابلہ میں کیوں نہیں
فتح پا سکتے۔ اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔
لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے
اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزے رکھتے ہیں کسی پر ظلم
نہیں کرتے آپسمیں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے ہمارا یہ حال ہے
کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں اقرار کی پابندی نہیں کرتے اوروں پر
ظلم کرتے ہیں اسکا یہ اثر ہے کہ انکے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔
اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت
شام سے نکل جانیکا ارادہ کر چکا تھا لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی
فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ

آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلہ میں صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطنیہ جزیرہ۔ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پایۂ تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہانتک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو مقامات فتح کر لئے تھے وہاں کے اُمرا اور رئیس انکے عدل و انصاف کے اسقدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کیلئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے چنانچہ اُن کے ذریعہ سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ اونھوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُراثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اوس کی جانچ میں پورے اُترے۔ چنانچہ اسکے صلہ میں خدا نے تم کو ہمیشہ مظفر و منصور رکھا اب تمھارا دشمن اس سر و سامان سے تمھارے مقابلہ کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے۔ یزید بن ابی سفیان معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں اسکے ساتھ خالد رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں شرجبیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیئے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے جو رائے دی بے شبہہ خیر خواہی سے دی لیکن اس کا میں مخالف ہوں شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالہ کر دیں یا خود مار ڈالیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں شرجبیل نے اٹھکر کہا اے امیر ہم کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد رضی اللہ عنہ موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم ان کو انکے دشمنوں سے بچا سکیں لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم انکی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لئے

جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دیدو اور ان سے کہدو کہ ہمکو تمھارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اسوقت تمھاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کردی گئی۔

عیسائیوں پر اس واقعہ سے اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا انھوں نے کہا توریت کی قسم جبتک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کرسکتا یہ کہکر شہر پناہ کے دروازے بند کردیے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھادیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہوچکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کردی جائے انتہیٰ

اس سے مسلمانوں کی ایمانداری راست بازی وفاشعاری کا پتہ لگتا ہے کہ کس درجہ کی تھی۔ نماز روزہ بہت آسان چیزیں ہیں روپیہ پیسہ کے معاملہ میں اکثر دشواری ہوتی ہے ہمارے زمانہ کے جہلا تو درکنار بہت سے علما کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ جب کسی خدمت پر مامور ہوتے ہیں یا ان کے معاش کا عقدہ ہوتا ہے تو دین ٹھکانے نہیں رہتا۔ حالانکہ دین میں اسی کی ضرورت ہے کیونکہ حقوق الناس کو خدائے تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتا ایسی اہم چیز کی اگر

کسی کو پروا نہ ہو تو کہ مال کس طریقہ سے حاصل کیا گیا بجز اسکے اور کیا کہا جائے کہ اس کے ایمان ہی میں کچھ کسر ہے۔ غرضکہ صحابہ کے تدین نے عموماً یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ یہ لوگ طالب دنیا نہیں ہیں صرف اعلاے کلمۃ اللہ اور خوشنودی خدا کے واسطے اپنی جانیں لڑا کر اکثر ملک میں تہذیب قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اسیوجہ سے مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی حالانکہ اسلام لانے پر کوئی مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ صاف کہدیا جاتا تھا کہ اگر خوشی سے اسلام نہیں لاتے تو سالانہ (۴) دینار جس کی مقدار بحساب حالیہ (عہ) روپیہ ہوتے ہیں دیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اتنے روپیہ دیکر مذہبی آزادی حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی چنانچہ بہت سارے متعصب جزیہ ہی قبول کر لیتے تھے مگر انصاف پسند عقلا جو یہ سمجھتے تھے کہ نجات دائمی بغیر اسکے کہ سچے مذہب کی پابندی کیجائے حاصل نہیں ہوسکتی نہایت خوشی سے اسلام لا کر مذہب کی تمام پابندیوں کو قبول کر لیتے تھے حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے مذہب میں ہے کہ جو اسلام لا کر پھر جائے یعنے مرتد ہو جاے وہ قتل کیا جاتا ہے گویا وہ اسلام لانیکے وقت یقینی طور پر اقرار کر لیتے تھے کہ اگر ہم اسلام سے پھر جائیں تو قتل کر دئیے جائیں آنکو اتنی راسخ بنانیوالی کونسی چیز تھی وہی دین اسلام کی سچائی تھی کہ ان کو ایسے سچے مذہب سے پھرنیکا خیال بھی نہ آتا تھا۔ افسوس ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمانوں کی حالت دیکھکر لوگ بطیب خاطر مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اور ایک زمانہ یہ ہے کہ اکثر مسلمانوں

کی حالت اور طرز عمل دیکھ کر دوسرے مذہب والے نفرت کرتے ہیں اور مرتد ہوتے جاتے ہیں مگر پھر بھی بفضلہ تعالیٰ اسی اسلام کی سچائی کا یہ اثر ہے کہ اہل انصاف مسلمانوں کی حالت سے قطع نظر کر کے نفس ہدایات اسلام پر جب غور کرتے ہیں تو خود انکا دل ان کو ایمان لانے پر مجبور کرتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ باوجودیکہ کسی قسم کا اہتمام نہیں ہے مگر ہزارہا مشرف باسلام ہوتے جاتے ہیں الحمد للہ علی ذالک

تاریخ واقدی میں لکھا ہے کہ جب اہل قنسرین اور وہاں کے بطریق لوقا نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور معاہدہ کیا کہ ایک سال میرے حدود میں اہل اسلام تعدی نہ کریں اور علامت حدود یہ قرار دی کہ ایک بلند ستون پر ہرقل کی تصویر ہو گی اوس سے آگے نہ بڑھیں طرفین سے یہ معاہدہ طے ہو گیا ایک روز چند سوار ادھر گذرے اور اس ستون کے قریب گھوڑوں کی موڑ توڑ کی تعلیم دے رہے تھے کہ ابو جندلہ کا گھوڑا شوخی کر کے اُس ستون کے قریب ہو گیا اور انکے ہاتھ میں دراز بھالا تھا اُس تصویر کو لگ گیا جس سے اُسکی آنکھ پھوٹ گئی حد کی حفاظت کے لئے جو چند آدمی وہاں تھے اونھوں نے لوقا سے کہدیا کہ مسلمانوں نے تصویر کی بے عزتی کی اور اس کی آنکھ پھوڑ دی یہ سنتے ہی یوقنا بطریق غضبناک ہو کر ایک ہزار بہادر جنگ آزمودہ سواروں کو اصطخر کے ہمراہ کر کے یہ پیام کہلایا کہ تم لوگوں نے عہد شکنی کی۔

اب ہم تم سے لڑینگے جب دستہ سواروں کا لشکر اسلام کے قریب پہنچا دیکھا کہ

سب فوج نہایت زرق و برق کے ساتھ چلی آرہی ہے اور ان کے سامنے ایک نشان جس پر صلیب ہے اسکو بلند کئے ہوئے ہیں صحابہ نے حملہ کرکے صلیب کو سرنگوں کر دیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھکر پوچھا تم کون لوگ ہو اصطخر نے کہا میں حاکم قنسرین کی طرف سے پیام لایا ہوں کہ تم لوگوں نے غدر کیا ہمارے بادشاہ کی تصویر کی آنکھ پھوڑ دی اور عہد کو توڑ دیا آپنے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قسم ہے کہ مجھے اسکی خبر نہیں ابھی دریافت کرتا ہوں اور بآواز بلند کہا کہ اے لوگو کسی نے تصویر کی آنکھ پھوڑ دی ہے لوگوں نے کہا اے امیر ابو جندلہ اور سہیل بن عمرو کا بھالا لگ گیا ہے انہوں نے قصداً نہیں پھوڑی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اصطخر سے معذرت کی کہ یہ فعل قصداً نہیں کیا گیا اس پر بھی اس کے معاوضہ میں تم جو کچھ کہو ہم دینے پر راضی ہیں اصطخر وغیرہ نے کہا کہ ہم ہرگز نہ راضی ہونگے جبتک تمہارے بادشاہ کی آنکھ نہ پھوڑیں گے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہی بات ہے تو لو اس تصویر کی آنکھ کے معاوضہ میں میری آنکھ پھوڑ ڈالو کہا یہ اسکا معاوضہ نہیں ہو سکتا تمہارے بڑے بادشاہ جو والی عرب ہیں ان کی آنکھ پھوڑینگے جب اوس نے عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا نام لیا تو تمام اہل اسلام میں جوش پھیل گیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فہمائش کی اس پر سب نے بالاتفاق کہا کہ اے امیر ہم اپنے امام یعنے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر فدا ہونے اور انکی آنکھ کے فدیہ میں اپنی

آنکھیں دینے پر راضی ہیں۔

صطیر نے مسلمانوں کا جوش دیکھا کہ آنکھ کا معاوضہ کچھ اور ہی رنگ لائیگا گھبرا کر کہا خیر آنکھیں پھوڑنیکی ضرورت نہیں۔ امیر لشکر یعنے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تصویر ایک نشان پر بنائی جائے ہم اوسکی آنکھ پھوڑ ڈالیں گے یہ سُنکر مسلمانوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہمارے جانب سے قصداً تعدی نہیں ہوئی تھی اور تم لوگ قصداً یہ کام کروگے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے قوم زیادہ گفتگو مت کرو میں راضی ہوں کہ میری تصویر کی وہ بیحرمتی کریں اور یہ اس لئے کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ مسلمان عہد کرکے غدر کیا کرتے ہیں بہرحال اس پر فیصلہ ہوا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے تصویر کی آنکھ پھوڑ دی گئی۔ انتہی ملخصًا

یہاں قابل قدر یہ امر ہے کہ تمام اہل اسلام نے بالاتفاق یہ کہدیا کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ان پر سے اپنی جان فدا کرنے اور انکی آنکھ کے فدیہ میں اپنی آنکھ فدا کرنے پر راضی اور مستعد ہیں اس واقعہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور یہ وہی زمانہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انکو معزول کرکے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت میں انھیں دیا تھا مگر سبحان اللہ کیا نفوس قدسیہ تھے اسکا ذرا بھی خیال نہ کیا اور اپنی آنکھ کو عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر فدا کرنیکے لئے مستعد ہو گئے اور مسلمانوں سے ذرا بھی مخالفت نہ کی ورنہ کہہ سکتے تھے کہ انکی آنکھ پھوڑی جائے تو ہمیں کیا ہم تو اسلام کے واسطے لڑتے ہیں جنھیں یہ

ہم اور عمر رضی اللہ عنہ دونوں برابر ہیں اور ظاہر یہ بات ایسی تھی کہ شاید اوس کا کوئی انکار نہ کر سکتا۔ مگر یہ حضرات ایسے نہ تھے کہ ایک لکڑی سے سب کو ہانکیں وہ تو فیضانِ صحبت نبوی سے کچھ ایسے مہذب و مؤدّب ہو گئے تھے کہ دنیا میں اون کی نظیر نہیں ملسکتی۔ عمر رضی اللہ عنہ کو وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ قبیلہ بنی عدی میں ایک سر آوردہ شخص ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ یہ عالی نسبت اونکی تمام مسلمانوں کے دلوں پر وہ اثر کرتی تھی کہ انکے زور برو سب کی گردنیں جھک جاتی تھیں فی الحقیقت نسبت ایسی ہی چیز ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ وہ کس قدر با اثر اور با وقعت چیز ہے۔ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہّرات کو زوجیت کی نسبت تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ تمام مسلمانوں کی ماں ہو گئیں اور اگر انکے ماں باپ بھی تھے تو بجائے اسکے کہ اپنی صاحبزادی سمجھیں ماں سمجھ کر وہی تعظیم و توقیر کرتے جو ماں کی کیجاتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جیسا کسی عورت سے نکاح ہو جاتا ہے تو باوجود اجنبیت کے اس نسبت کے ساتھ ہی کیسی خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں یہانتک کہ اگر کوئی اسکو آنکھ اوٹھا کر دیکھے تو اسکے مقابلہ میں جان دینا گوارا کیا جاتا ہے اولیاء اللہ کو خدا تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاص قسم کی نسبت ہوتی ہے جس کے آثار دنیا اور آخرت میں جو کچھ ہوتے ہیں اگر اونکا بیان کیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے غرضکہ عمر رضی اللہ عنہ کو جو نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اسکی وجہ سے

کل اہل اسلام اور خالد بن الولید رضی اللہ عنہ پر یہ آسان ہوگیا تھا کہ انکی آنکھ سے اپنی آنکھیں فدا کردیں اس موقع میں ایک حدیث شریف بھی قابل ذکر ہے کہ جب فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں تشریف لیگئے دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام کی تصویریں بنا رکھی ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کے کتاب المغازی میں یہ حدیث مذکور ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم مکۃ ابی ان یدخل البیت وفیہ الآلہۃ فامر بہا فاخرجت۔ فاخرج صورۃ ابراھیم واسمعیل علیہما السلام فی ایدیہما من الازلام۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قاتلہما اللہ ما استقسما بہا قط الخ اور تاریخ کامل ابن اثیر جزء ثانی مطبوعہ مصر صفحہ (۹۶) میں ہے (ورای فیہا صور الانبیاء فامر بہا فمحیت) اور ناسخ التواریخ جلد دوم کے صفحہ (۳۴۱) میں مذکور ہے پس مقداری زعفران طلب کرد وآں صورت را بزعفران اندودہ ساخت۔

دیکھئے وہ تصویریں بتوں کی قطار و شمار میں تھیں اور انکی رعایت نہ شرعاً ضرور تھی نہ عقلاً مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ انکو ایک خاص قسم کی نسبت تھی اور یہ کہا جاتا تھا کہ یہ تصویر فلاں نبی کی ہے اسی نسبت کی وجہ سے حضرت نے انکی قدر فرمائی کہ اگر مٹایا بھی تو زعفران کے پانی سے اور کسی قسم کی توہین گوارا نہیں فرمائی اگر اس زمانہ کے مشدد حضرات اس قسم کی تصاویر پاؤیں تو مقتضائے طبع

انکا گواہی دیتا ہے کہ اس کام کے لئے نجاست میں اپنے ہاتھ آلودہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں اور اس کو کمال توحید پر دلیل قرار دیں۔ چنانچہ اسپر قرینہ یہ ہے کہ بعضوں نے صراحتاً لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور نماز میں کرنا اس سے بدتر کہ ( ) کا تصور کیا جائے۔

اب غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارک جو خیال میں آئیگی اوس کو حضرت کی صورت کے ساتھ خاص قسم کی نسبت ہوگی اوسکو بدترین حیوانات سے بدتر کہا گیا کیا کسی ایماندار سے یہ ہوسکتا ہے۔ گو ایسے خیال والے لوگ اپنی ذہن میں اسکی کچھ توجیہات ضرور کرتے ہونگے۔ مگر وہ سب خارج از بحث ہونگی۔ ہمارا کلام اسمیں ہے کہ جس صورت کو نسبت حضرت کی صورت مبارک سے ہوگی اوسکی توہین ضرور ہوئی صحابہ کے آداب پیش نظر رکھکر یہ صاحب لوگ خود ہی خیال کریں کہ اگر اس قسم کی بات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں کہی جاتی تو کہنے والیکی کیا گت بنائی جاتی یہ ضمنی بات تھی تتمہ واقعہ یہ ہے کہ صلح ایلیا کے لئے ہوئی تھی اس لئے جنگ میں توقف رہا اور نئی فتوحات کی خبر عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پہنچیں اس تاخیر کی وجہ سے آپنے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام نامہ لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ (خدا کا بندہ عمر بن الخطاب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ امین امت تمہارا اسلام ہے اور معلوم ہو کہ میں خدا کا شکر کرتا ہوں اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہوں و تم کو

حکم کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں خدائے تعالی کا تقوی کیا کرو اور خدائے تعالی کی
نافرمانی کرنے سے ڈراتا ہوں اور خوف دلاتا ہوں اور منع کرتا ہوں اس بات سے
کہ کہیں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جن کی حالت خدائے تعالی نے اس آیۃ میں
بیان فرمایا قل ان کان اباؤکم وابناؤکم الآیہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کہدو
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم کو اپنے باپ اور لڑکے اور بھائی اور بیویاں اور
قرابتدار اور وہ مال جن کو تم نے حاصل کیا ہے۔ اور وہ تجارت جس کے بند
ہو جانے سے ڈرتے ہو۔ اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں
خدا اور رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ تر محبوب اور مرغوب
ہیں تو تم انتظار کرو یہانتک کہ اللہ اپنا عذاب لائے اور اللہ بدکار قوم کو ہدایت
نہیں دیتا۔ انتہی۔ اور خدائے تعالی درود بھیجے خاتم النبیین اور امام المرسلین پر
والحمد للہ رب العالمین۔

جب یہ خط ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا اونھوں نے تمام مسلمانوں کو
جمع کر کے سنایا۔ لکھا ہے کہ اس کے سنتے ہی ایک قوی حالت طاری ہوئی کوئی
شخص ایسا نہ تھا جس نے نہ رویا ہو اور سب نے بالاتفاق کہا کہ اب یہاں رہنا
مناسب نہیں بہتر ہے کہ حلب اور انطاکیہ پر چڑھائی کریں۔ انتہی

دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ نے اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے
انکی دل شکنی ہو بلکہ سب معمولی باتیں تھیں کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدا تعالی

ڈرنا اور تقوی کرنا اور گناہوں سے بچنا ضروری ہے اور جو آیۂ شریفہ لکھی وہ بھی ہمیشہ قرآن شریف میں پڑھی جاتی ہے اور اوسمیں یہ بھی نہ تھا کہ جنگ نہ کروگے تو برطرف ہوجاؤگے کیونکہ کوئی سرکاری نوکر تو تھا ہی نہیں پھر کس چیز نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ بے اختیار سب رونے لگے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے ہم تو یہی کہیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اور اخلاص کا اثر تھا جس نے وہ تاثیر کی کہ ہزار واعظ گھنٹوں وعظ کہیں تو وہ اثر نہو گا جو چند جملوں نے ایک ہنگامہ برپا کردیا کیوں نہو وہ پیر کامل تھے وادھر کل مرید مستعد راسخ الاعتقاد اور بیعت پہلے ہی ہوچکی تھی جس کا حال اوپر معلوم ہوچکا غرضکہ وہاں سے لشکر اسلام بہ ارادۂ فتح حلب وانطاکیہ کوچ کیا راہ میں جوق جوق نصاری اپنے راہبوں اور علما کو لیکر استقبال کرتے اور ان کے ساتھ انجیل ہوتی اور بکمال عقیدت ظاہر کرکے صلح کی درخواست کرتے اور کہتے کہ ہم آپ لوگوں کو دوست رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپکے ذمہ میں آجائیں۔ انتہی

یہ اثر چند ماہ کی اقامت کا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اخلاق راستبازی وفاشعاری دیانت داری شہرۂ آفاق ہوگئی تھی۔ سبحان اللہ مسلمانوں کے وہ اخلاق تھے کہ بیگانے دشمنان اسلام اپنے ہم مشرب بادشاہ سے انقطاع کرکے مسلمانوں کی حمایت میں آتے تھے اور اب بھی مسلمان ہیں کہ باوجود ہم مشربی کے ایک جماعت کو دوسری جماعت کا اعتبار نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

ہیں اس پر بعض کو دعوے ہے کہ ہم سنت کے متبع ہیں۔

مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں لکھا ہے کہ جنگ یرموک میں جب باہان سپہ سالار لشکر کفار تنگ ہوا تو ایک رات سرداروں کو جمع کرکے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑچکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلاکر انکو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا دوسرے دن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجدو جو پیغام لیکر آیا اس کا نام جارج تھا جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی مسلمان جس شوق و ذوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوے اور جس محویت و سکون و وقار و ادب و خضوع سے انھوں نے نماز ادا کی قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا یہانتک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ رضی اللہ سے چند سوالات کئے جنمیں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللہ ولا الملائکۃ المقربون مترجم نے اُن الفاظ میں ترجمہ کیا تو جارج بے اختیار پکار اٹھا کہ بیشک عیسیٰ علیہ السلام کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمھارا پیغمبر سچا ہے یہ کہکر اُس نے

کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائیگا اسکے ساتھ چلے آنا۔ انتہیٰ

دیکھئے ان حضرات کے خلوص اور نماز کے خضوع و خشوع کا یہ اثر ہوا کہ قاصد خود سمجھ گیا کہ خدا کی سچی عبادت ایسی ہوا کرتی ہے اور اس تھوڑی دیر کی صحبت کی یہ برکت ہوئی کہ دارین کی سعادت حاصل کر کے فائز المرام ہوا ان حضرات کے نفوسِ قدسیہ کا یہ اثر تھا کہ دشمنوں کی طرف کے قاصد جو اہلِ انصاف ہوتے تھے اونکو دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے۔ ان حضرات کی ہمسری کا کوئی کیا دعویٰ کرسکے فقط

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

تمت

انتباہ۔ اس حصہ کا مسودہ حینِ حیات حضرت مولٰنا مولوی محمد انوار اللہ خان بہادر مرحوم و مغفور المخاطب بہ نواب فضیلت جنگ صدر الصدور و معین المہام امور مذہبی تیار ہو چکا تھا لیکن تاریخ سلخ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ حضرت ممدوح کا انتقال ہونیکی وجہ سے کچھ عرصہ تک اسکی چھپوائی معرضِ التوا میں رہی بالآخر حسبِ منظوری عالم ربانی جناب مولٰنا مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی مجلس اشاعۃ العلوم طبع ہو کر شائع ہوا

غلطنامہ مقاصد الاسلام حصہ نہم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱۵	ہزازوں	ہزاروں
۸	۱۰	نہی	بہی
۱۸	۱۰	عادات	عادات
۱۹	۸	نندی	بلندی
۲۲	۶	بہوی	ہوئی
۲۴	۹	ہونچی	پہونچی
۲۵	۱۷	دکہا	دیکہا
۲۷	۱۳	گلاوہ	گلایہ
۳۵	۵	قایم	قائم
۴۷	۸	امیرامومنین	امیرالمومنین
۵۱	۱۴	اشتری	اشتری
۵۳	۴	خواہشوں	خواہشوں
〃	۶	پاوں	پاؤں
〃	۱۷	اشتری	اشتری
۶۹	۳	گھیری	گھری
۱۰۵	۱۶	وسایط	وسائط
۱۱۷	۳	ملک	ملک
〃	۱۳	قایم	قائم
۱۲۰	۲	جنبکو	جنکو
۱۲۳	۱	نے	سے
۱۲۹	۹	کبریا	کبریائی
۱۳۵	۳	خدیث	حدیث